

پاکستان میں علامہ سید سلیمان ندویؒ کی تصانیف کی اشاعت کے جملہ حقوق
فضل ربی ندوی کے نام محفوظ ہیں باجائزت خصوصی علامہ مرحوم کے صاحبزادے
ڈاکٹر سید سلیمان ندوی

حیاتِ امامِ رحمۃ اللہ

از:

علامہ سید سلیمان ندوی



مجلس شریاتِ اسلام

۱۔ کے۔ ۳ ناظم آباد مینشن، ناظم آباد ۲، کراچی ۱۵

مطبوعہ تشکیل پرنٹنگ پریس۔ کراچی

فہرست مضامین

حیات مالکؐ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۵	قرآن مجید کی تعلیم	۷	دیباچہ
=	علم حدیث کی تعلیم	نام و نسب و ولادت	
=	حضرت نافع		
۱۶	امام زہری		
۱۷	امام جعفر صادق	۹	خاندان کے دیگر ارکان
۱۹	محمد بن منکدر	تعلیم و تربیت	
=	محمد بن یحییٰ		
=	ابو حازم		
۲۰	یحییٰ بن سعید	۱۱	مدینہ
=	شیوخ کی تعداد	۱۲	مدینہ کے فقہائے صحابہ
۲۱	شیوخ برترتیب ہجا	۱۳	مدینہ کے فقہائے تابعین
۲۲	غیر مدنی شیوخ	۱۳	تابعین مدینہ
۲۵	علم فقہ کی تعلیم	۱۳	مدینہ کے فقہائے سب
=	شیخ الفقہ ربیعہ رائی	۱۳	شیوخ مالک
۲۷	شیوخ کا انتخاب	۱۳	امام کے اعزہ و شیوخ
۲۸	امام کے شیوخ کی خصوصیات	۱۳	ابو سہیل نافع

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	تلامذہ و مستفیدین	۳۰	اہل عراق سے عدم روایت اپنے دادا اور بعض فقہائے سبعہ سے عدم روایت کا سبب
۳۰	تلامذہ کی خصوصیات	۳۱	اساتذہ آپ کے معترف تھے
۳۱	کثرت تعداد	۳۲	افلاس میں تعلیم
=	شہرت و معرفت	=	
=	وسعت اراضی		مجلس درس
=	فضل و کمال		
	ہر طبقہ کے لوگ آپ کے شاگرد تھے	۳۳	حضرت ابن عمر کی مجلس درس
۳۲		=	حضرت نافع کی مجلس
		=	امام کی مجلس
		=	مجلس کی تہذیب
		=	آداب درس
		۳۶	طریقہ درس
۳۶	نقیہ و محدث کا فرق	۳۷	اس طریقہ کی خوبی
=	عہد نبویؐ	۳۸	مجلس درس کی شہرت
=	اصحاب صفہ	=	حاضرین درس کی جغرافی وسعت
=	طبقات فقہائے صحابہ	۳۹	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی
=	طبقہ اولیٰ	=	
=	طبقہ ثانیہ		
=	طبقہ ثالثہ		

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۶	خلافت عباسیہ	۴۷	صحابہ مدینہ وغیر مدینہ
	خلیفہ منصور اور امام	۴۸	مدینہ کے فقہائے تابعین
	امام کی فقہ پر ملک کو مجبور	=	مدینہ کی مجلس فقہ
	کرنے کی تجویز	۴۹	مدینہ کی فقہ
۷۵	امام کا انکار	=	امام مالک کی فقہ
۵۸	منصور کی شہادت	=	حکومت کا اعلان
	بنو ہاشم و بنو امیہ	=	حکومت کے مقابلہ میں آزادی
۵۹	بنو عباس و بنو علی	=	طلاق مکہ کا مسئلہ
۶۰	سادات علویین کی بغاوتیں	۵۰	جواب میں لا ادری
=	امام کا فتویٰ کہ بیعت جبری	۵۱	ممالک بعیدہ کے استفتا کے
	غیر معتبر ہے		جواب سے احتراز
	طلاق مکہ کا فتویٰ	۵۳	رائے پوچھنے پر زجر
۶۱	منصور کی لاعلمی اور ندامت	=	رائے کا طغی ہونا
=	منصور کی تقریر	=	جواب میں کاوش و فکر
۶۲	خلعت	=	انصاف پسندی
=	منصور کی زبان سے تعزیر	۵۴	اعتراف
	کا سبب	عام حالات	
=	قیدیوں کی خدمت میں		
=	سفارت		
۶۳	امام کی طلبی	۵۵	خلافت امویہ کا اختتام

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۶۹	موطا کو خانہ کعبہ میں آویزاں کرنے کی تجویز	۶۳	منصور کی نسبت اظہار رائے سے انکار
=	ہارون کے نام خط	=	ابن ابی ذئب کی راستگویی
	وفات	۶۴	ہمدی کا زمانہ
۷۱	وفات	=	اہل مدینہ کے لئے درخواست
=	جنازہ	۶۵	امام سے بغداد چلنے کی درخواست
=	مرثیہ	=	ہمدی کی طلبی
	اخلاق و عادات و حالات ذاتی	=	ہمدی اور موطا
۷۳	طاعت الہی	=	شہزادوں کی تعلیم کے لئے
=	حب رسول	=	بارگاہ خلافت میں جانے سے انکار
۷۵	حب مدینہ	=	قرأت سے انکار
=	فیاضی	۶۶	ہادی کا زمانہ
۷۶	مہمان نوازی	=	ہارون رشید کا زمانہ
=	استقلال	=	موطا بارگاہ خلافت میں
		۶۷	حضرت علی و ابن عباس سے
		=	عدم روایت کا سبب
		=	شہزادے مجلس درس میں
		=	مجلس حدیث
		۶۸	منبر نبویؐ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۸۸	موطا کا موضوع	۷۶	علم و غفو
=	موطا اور دیگر آئمہ کے مجموعے	۷۷	حق گوئی و آزادی
۸۹	موطا اور کتب احادیث	=	خود داری
	معاصرہ	۶۸	انصاف پسندی
۹۰	طبقات کتب حدیث میں	۷۹	اہل علم کی عزت
	موطا کا درجہ	=	حلیہ
۹۱	طبقہ اولیٰ میں موطا کا درجہ	=	پوشاک
۹۲	موطا بخاری و مسلم سے بہتر ہے	۸۰	خوشبو کا استعمال
۹۳	موطا کے نسخے	=	مکان
۹۴	شروح اور تعلیقات	تصنیفات	
=	موطا کا ایک اور امتیاز		
	خاتمہ	۸۱	تصنیفات کے نام
	سوانح مصنف	۸۲	موطا
۱۱۲	حضرت امام اعظمؒ اور علم حدیث	=	تدوین احادیث
		۸۵	موطا
		۸۶	تالیف موطا
		۸۷	وجہ تسمیہ
		۸۸	تعداد مرویات

دیباچہ

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَالْمِنَّةُ وَالصَّلَاةُ عَلَى رَسُولِهِ صَاحِبِ السُّنَّةِ وَعَلَى
آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَتَابِعِيهِ قَامِعِي الْبِدْعَةِ وَالْفِتْنَةِ

آج کل ملک میں علوم اسلامی کی طرف سے جو سرومہری اور بے اعتنائی برتی جا رہی ہے، اور جو انگریزی تعلیم کی وسعت کے ساتھ ترقی کرتی جاتی ہے، اس کی روک تھام کے لئے مصلحین کے سامنے مختلف صورتیں پیش ہیں۔ منجملہ ان کے ایک صورت یہ ہے کہ ملک میں تازخ کا مذاق کسی قدر پیدا ہو گیا ہے۔ اکابر اسلام کی سوانح عمریوں کے پر دے میں علوم اسلامیہ کی تازخ لکھی جاتے اور اسی ضمن میں ضروری مسائل کی تشریح کی جاتے تمام دنیا نے اسلام جن قوانین فقہی پر کار بند ہے، وہ چار اماموں کی طرف منسوب ہیں۔ امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام ابن جنبل اردو میں سیرۃ النعمان لکھی جا چکی ہے، اور امام رازی کی سیرۃ الشافعی کا ترجمہ ہو چکا ہے، امام مالک جو فقیہ مدینۃ الرسول امام دار الحجۃ اور بانی اول فن حدیث تھے اور مسلک حنفی کے علاوہ فقہ کے بقیہ تین مذاہب، جن کے سلسلہ کی شاخیں ہیں، اردو میں اب تک ان کے متعلق ایک حرف موجود نہیں۔

مجھے کو علم حدیث کی ابتداء طلب سے امام موصوف اور ان کی موطا سے بدرجہ غایت عقیدت رہی ہے، اسی کا اثر تھا جس نے مجھے اس فرض کے انجام پر آمادہ کیا چنانچہ

طالب علمی کے زمانہ میں، میں نے اس کا سلسلہ شروع کیا اور جنوری ۱۹۰۵ء کے اندر وہ
میں اس پر ایک مضمون لکھا، فراغت کے بعد سب سے پہلے اسی کتاب کی تکمیل کا خیال ہوا، ابھی
تصنیفات کا حصہ ختم ہوا تھا کہ حضرت الاستاذ نے وفات پائی اور دم نزع وصیت
فرمائی کہ تمام کام چھوڑ کر سب سے پہلے سیرۃ نبویؐ کی تکمیل کی جائے۔ اس بنا پر جہاں تک
حیات مالک کی مسافت طے ہو چکی تھی۔ قلم کا مسافر وہیں پہنچ کر رک گیا اور اب آئندہ اس
کی تکمیل کی فرصت ہاتھ آئی مشکل معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے جو حصہ تکمیل کو پہنچ چکا ہے
اس کو وقف ناظرین کیا جاتا ہے۔

کار دنیا کسے تمام نہ کرد ہر چہ گیرید مختصر گیرید

سید سلیمان ندوی

۳۰ اگست ۱۹۱۷ء

نام و نسب و ولادت

مالک نام، ابو عبد اللہ کنیت، امام دار الحجۃ لقب، باپ کا نام انس تھا، سلسلہ نسب یہ ہے، مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر، بن عمر بن حارث بن غیمان بن جبیل، بن عمرو بن حارث ذی اصبح^۱

امام مالک ایک خالص عرب خاندان سے تھے۔ جو جاہلیت و اسلام دونوں میں معزز تھا، بزرگوں کا وطن ہیں تھا، مگر اسلام کے بعد مدینہ النبی میں سکونت اختیار کی، امام ہیں کے اخیر خاندان شاہی یعنی حمیر کی شاخ ”اصبح“ سے تعلق رکھتے تھے، امام کے مورث اعلیٰ حارث اس خاندان کے شیخ تھے، اسی لئے ذی اصبح کے لقب سے وہ مشہور ہیں۔

آپ کے خاندان میں سب سے پہلے آپ کے پردادا ابو عامر عہد نبوی میں مشرف باسلام ہوئے۔ غالباً اس شرف اندوزی کی تاریخ نہایت قدیم ہے، یعنی ۳ھ کیونکہ قاضی ابوبکر بن العلاء کی روایت ہے کہ ”ابو عامر بدر کے سوا تمام غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک تھے“ لیکن محدثین کے نزدیک یہ ثابت نہیں۔ محدث ذہبی نے تجرید صحابہ میں ابو عامر اصبحی کا نام لے کر لکھا ہے۔ لہذا احد اذکرہ فی الصحابة وقد کان فی زمن النبی صلعم ابن حجر نے اصحاب کی قسم ثالث (کئی) ہیں ابو عامر اصبحی کا نام لکھ کر ذہبی کی عبارت نقل کر دی ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کو آنحضرت صلعم سے شرفِ لقاح حاصل نہیں ہوا تھا،

۱۔ کتاب الانساب للسمعانی طبع فوتو مغرافی یورپ لفظ اصبحی

۲۔ الاصابہ فی تمیز الصحابہ ج ۴ ص ۷۹، کلکتہ

امام کے دادا مالک بن ابی عامر ایک حلیل القدر تابعی اور صحاح کے رواد میں داخل ہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کو ایک گونہ اختصاص تھا، اور اس قدر درجہ رکھتے تھے کہ وہ اُن سے اپنے لئے وظیفہ کے طالب تھے، اسی بنا پر ان کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے نہایت محبت تھی سرکف جواں مردوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کی لاش کو دشمنوں کے زور سے اٹھا کر دفن کرنے کی خطرناک خدمت انجام دی تھی۔ ان میں ایک یہ بھی تھے۔ فنِ روایت و حدیث میں ان کو حضرت عمر عثمان، طلحہ، عقیل بن ابی طالب، ابو ہریرہ ام المومنین عائشہ اور دیگر صحابہ کبار رضی اللہ عنہم سے شرفِ تلمذ حاصل تھا، مدینہ کے مشہور فقیہ سلیمان بن یسار اور خود مالک کے بیٹوں نے اور دوسروں نے مالک سے حدیث سیکھی ہے، موطا میں بھی ان کی روایت سے حدیث ہے، امام نسائی نے ان کی توثیق بھی کی ہے، شیخ میں وفات پائی۔

مالک بن ابی عامر کے تین بیٹے تھے انس امام مالک کے پدر بزرگوار اور ربیع اور ابو سہیل نافع، ابو سہیل نافع ایک بلند پایہ محدث تھے ثقاہ تابعین اور ارکانِ حدیث میں ان کا شمار ہے۔ صحابہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اور تابعین میں اپنے باپ مالک، اور سعید بن المسیب، علی بن حسین اور بہت سے لوگوں سے روایت کرتے ہیں، امام مالک نے بھی موطا میں ان سے روایت کی ہے، تابعین اور تبع تابعین میں امام زہری، امام مالک اسماعیل بن جعفر وغیرہ اور دیگر شخصاء ان کے شاگرد ہیں، امام احمد، ابو حاتم اور نسائی جیسے ائمہ فن نے ان کی توثیق کی ہے۔

امام کے دوسرے عم مخرم ربیع اور آپ کے والد ماجد انس بھی اپنے خاندان کی وراثتِ علمی سے محروم نہ تھے۔ تاہم اس فن میں پایہ مخصوص نہیں رکھتے تھے، اور نہ موطا میں امام نے ان سے کوئی روایت کی ہے۔

ابو موطا باب تسویر الصوف، ثم تری الممالک بن ناقب مالک سیوطی، ابن خلکان ترجمہ مالک، واسعاف المبطا برجال الموطا سیوطی ترجمہ بن ابی عامر نافع بن مالک، تذکرۃ الحفاظ ذہبی، کتاب الانساب سمعانی

امام کی ولادت کا سنہ مختلف فیہ ہے، مورخ یا فقی نے طبقات الفقہاء میں ۹۲ھ لکھا ہے، ابن خلکان نے ۹۵ھ بتایا ہے۔ لیکن صحیح تاریخ ولادت ۹۳ھ ہے، جیسا کہ محدث ذہبی نے تذکرہ میں تصریح کی ہے اور سمعانی نے انساب میں اس کو اختیار کیا ہے، کہ یہ تاریخ بسنہ امام کے شاگرد خاص یحییٰ بن بکیر سے مروی ہے، جو مدتوں امام کی صحبت میں رہے ہیں۔

بزرگوں نے بچہ کا مالک نام رکھا، کہ آگے چل کر وہ مدینہ کے پیش بہا خزانوں کا مالک بننے والا تھا۔ ابن سعد نے طبقات میں واقفی کی روایت سے بیان کیا ہے اور اسی کو اور لوگوں نے بھی نقل کیا ہے کہ امام مالک تین برس تک شکمِ مادر میں رہے، لیکن واقفی کی یہ روایت ہے اگر صحیح ہے، تو غالباً اس کی غلط تعبیر طبری جہالت کا نتیجہ ہے عورتوں کو بعض عوارض ایسے پیدا ہو جاتے ہیں جن سے کبھی حمل کے تمام آثار ان پر طاری ہو جاتے ہیں اور وہ مدت باقی رہتے ہیں۔ اسی اشارہ میں کبھی حمل حقیقی ہو جاتا ہے، ناواقف لوگ اس تمام زمانہ کو مدتِ حمل سمجھ لیتے ہیں۔

امام ابو حنیفہ ۲۰ھ میں پیدا ہوئے تھے، اس لحاظ سے امام مالک ان سے عمر میں ۱۳ برس چھوٹے تھے۔ اس وقت بنو امیہ کی حکومت کا اوجِ شباب تھا، ولید بن عبدالملک جمہوری مروانی حکومت کا تیسرا تاجدار تھا۔ سریرِ آرائے خلافتِ دمشق تھا، فتوحاتِ اسلامیہ کا سیلاب مشرق میں ترکستان، کابل اور سندھ کو عبور کر چکا تھا اور مغرب میں افریقہ اور سپین کی سرزمینوں میں موجیں لے رہا تھا، یہ عجیب اتفاق ہے کہ جس عہد میں امام پیدا ہوئے اس کا تاجدار جس سرزمین کو تلوار سے فتح کر رہا تھا، امام کے قلم نے سب سے زیادہ وہیں قبضہ کیا، یعنی طرابلس، طینونس، الجزائر، مراکش اور اسپین میں۔

تعلیم و تربیت

مدینہ: امام نے ہوش سنبھالا تو اپنے کو علم کے آغوش میں پایا، خود گھر اور گھر سے باہر

تمام شہر علماء و فضلا کا مخزن تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سینکڑوں صحابہ دور و دراز مقامات میں نکل گئے تھے، لیکن معدن سونا نکلنے کے بعد بھی معدن ہے تمام اکابر صحابہ جو علوم شریعت کے امین اور قرآن و سنت کے خزانہ دار تھے، اسی شہر اقدس میں سکونت پذیر تھے، عہد نبویؐ میں اور عہد نبویؐ کے بعد بھی ۲۴-۲۵ برس تک تمام حکومت اسلامیہ کا یہ مرکز تھا۔ یہیں سے احکام و فتاویٰ فقہائے صحابہ کی مجلس میں طے ہو کر تمام دنیائے اسلام میں پھیلتے تھے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ اور مدینہ کے فقہائے صحابہ : حضرت عائشہؓ جو اسرار شریعت کے راز دان تھے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال و سنن کا متبع اور واقف کار کوئی دوسرا نہ تھا، حضرت ابن عباسؓ جو جبرائیل علیہ السلام تھے، حضرت زید بن ثابتؓ جو کاتب وحی تھے، ان سب کی درسگاہیں اسی شہر میں آباد تھیں جن سے ہزاروں اشخاص وحی و سنت کے علوم کے وارث بن کر نکلے۔

صحابہ مدینہ کے تلامذہ : بیت صدیق کی وارثان کی صاحبزادی عائشہ صدیقہؓ، عائشہ صدیقہ کے تلامذہ کبار، ان کے بھتیجے قاسم بن محمد بن ابی بکر، ان کے بھانجے عروہ بن زبیر تھے، مسند فاروقؓ کے جانشین عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن عمرؓ تھے، حضرت ابن عمرؓ کے شاگردان باخلاص تابع اور عبداللہ بن دینار ان کے دو غلام، اور سالم بن عبداللہ ان کے فرزند رشید تھے، حضرت زید بن ثابتؓ نے اپنی وراثت اپنے گھر میں چھوڑی، یعنی ان کے بیٹے خارجہ بن زید اس کے مالک ہوئے، ابو ہریرہؓ نے اپنی امانت اپنے داماد سعید بن مسیب کے سپرد کی، جبرائیل (عبداللہ بن عباس) نے گواہی اپنی دولت زیادہ تر مدینہ کے باہر مکہ، کوفہ اور بصرہ میں لٹائی لیکن جو مدینہ میں رہی وہ سعید بن مسیب کے حصہ میں آئی

تلاذہ صحابہ جن کو اصطلاح میں تابعین کہتے ہیں، تمام ملک میں پھیلے تھے، لیکن ہم کو صرف مدینہ سے بحث ہے۔ ان میں سے ممتاز و مشہور لوگوں کا ذکر اوپر ہو چکا یعنی قاسم ابن محمد، عمرو بن زبیر، نافع، عبداللہ بن دینار، سالم بن عبداللہ، خارجہ بن زید، سعید بن مسیب،

ان کے علاوہ مدینہ منورہ میں چند اور ممتاز مشاہیر تھے مثلاً ہشام بن تابعین مدینہ: عمرو، محمد بن منکدر، عبید اللہ بن عتبہ بن مسعود، محمد بن مسلم بن شہاب الزہری، عاصم بن عبداللہ، جعفر صادق، ربیعہ رازی، ابوسہیل نافع بن مالک، سلیمان بن یسار، وغیرہ یہ وہ بزرگان اسلام ہیں جن کے فضل و کمال کے آغوش میں اسلام کے علم دین نے نشوونما پائی ہے۔

فقہائے سبعہ: ان میں سے ابو جبر بن حارث (ؓ)، خارجہ بن زید (ؓ)، قاسم بن محمد (ؓ)، سعید بن مسیب (ؓ)، عبید اللہ بن عتبہ (ؓ)، سالم بن عبداللہ (ؓ)، سلیمان بن یسار (ؓ)، مدینہ کے فقہائے سبعہ کہلاتے ہیں، صحابہ کے بعد تمام فتاویٰ، مسائل، اور مقدمات قضایا، انہی کے فیصلہ سے طے پاتے تھے، ان کی مجلس اجتماعی یعنی جہان یہ ساتوں مل کر بیٹھتے تھے۔ اس عہد کی سب سے بڑی عدالت العالیہ تھی، فقہ مدینہ جس کا ذکر آگے آئے گا۔ انہی فقہائے سبعہ کی علمی مجلسوں کے نتائج بحث ہیں، امام صاحب نے جب آنکھ کھولی تو مدینہ بارغ و بہار تھا، باسنت و

شیوخ مالک: چند یہ تمام بزرگوار درس و افتا میں مشغول تھے۔ امام نے ان میں

سے اکثر سے استفادہ کیا، اور اس طرح مدینہ کا جو علم متفرق سینوں میں پراگندہ تھا۔ وہ اب صرف ایک سینہ میں مجتمع ہو گیا اور اس لئے امام دارالہجرت آپ کا لقب ہوا۔ امام کے شیوخ کی یوں تعداد تو بہت ہے۔ اسماء الرجال کی کتابوں میں ہے کہ روئے عن خلق کثیر یعنی انہوں نے بہت سے لوگوں سے روایتیں کی ہیں، لیکن موطا میں جن شیوخ

سے انہوں نے روایت کی ہے، شاہ ولی اللہ صاحب (مقدمہ مسوی) کے قول کے مطابق ۱۶: اشخاص اور میری تلاش کے مطابق ۱۷: اشخاص کے سواہ کل کے کل مدینہ کے باشندے ہیں، اس سے اور نیز اس واقعہ سے کہ اماں کا طلب علم کے لئے دوسرے شہروں کا سفر ثبات نہیں، یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ نے طلب علم کے لئے کبھی مدینہ سے قدم باہر نہیں نکالا۔ اور اس کا سبب ظاہر ہے کہ جس کا گھر اور وطن خود زر و جواہر کی کان ہو اس کو باہر دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانے کی حاجت کیا ہے؟ دوسری بات یہ ہے کہ مدینہ خود مرکز تھا تمام ملک کے اساتذہ اور شیوخ خود یہاں کھنچ کھنچ کر چلے آتے تھے، سال میں ایک دفعہ (رج کے موقع پر) مدینہ کی زیارت کا شوق لوگوں کو کشاں کشاں لے آتا تھا۔

امام کے شیوخ اعزہ: گھر میں اماں کے دادا، چچا اور والد خود محدث تھے، اماں نے طلب حدیث کی تو اپنے گھر کو آپ ان علوم کا مرجع پایا، اماں کے دادا جو ثقات رواۃ میں ہیں، اماں کے ہوش تک زندہ تھے، امام کی عمر دس برس کی تھی۔ جب انہوں نے وفات پائی، لیکن شاید اپنے بچپن یا دادا کے بڑھاپے کی وجہ سے کہ محدثین اور عوام دونوں کے نزدیک یہ دونوں زمانے برابر ہیں۔ اس فیض سے بلا واسطہ آپ نے تمتع حاصل نہیں کیا، ابو سہیل نافع امام کے ایک چچا روایت وحدیث کے شیخ تھے، امام زہری وغیرہ کے استاد ہیں امام نے بھی ان سے حدیثیں سیکھی ہیں۔ آپ کے والد انس اور دوسرے چچا ربیع دونوں اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، لیکن ان سے کوئی روایت امام نے موطا میں نہیں نقل کی ہے۔

اماں نے غالباً نہایت لڑکپن سے طلب علم شروع کی کیونکہ خود امام کی زبانی مروی ہے۔
کنت اتی نافعاً وانا غلام حدیث میں نافع کے پاس آتا تھا تو ایک کسں لڑکا تھا،
السن ومعی غلام فینزل فیحدثنی میرے ساتھ ایک غلام ہوتا تھا نافع اتر کر آتے تھے
(ذہبی ج ۱ ص ۸۸) تو مجھ سے حدیث بیان کرتے تھے۔

اس وقت تک تعلیم کا نصاب نہایت سادہ تھا، یعنی قرآن مجید، حدیث اور فقر، امام نے قرآن مجید کی قرأت و سند، مدینہ کے امام انقرء ابو دیم نافع بن عبد الرحمن المتوفی ۱۶۹ھ سے حاصل کی، جن کی قرأت پر آج تمام دنیا کے اسلام کی بنیاد ہے نافع بن عبد الرحمن سے اخذ قرأت کی روایت خود امام صاحب کی زبانی منقول ہے، لیکن زمانہ مذکور نہیں اس بنا پر کہ قرآن مجید کی تعلیم ہمیشہ مسلمانوں میں لڑکپن میں ہوتی ہے۔ عجیب یہ کہ اس کا یہی زمانہ ہو۔ علم الحدیث کی تعلیم بھی بچپن ہی سے شروع ہوتی۔ جیسا کہ گزشتہ روایت سے ثابت ہوتا ہے، اور نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام کے سب سے پہلے شیخ الحدیث حضرت نافع ہیں، یا ممکن ہے کہ آپ کے چچا ابو ہشیل ہوں کہ وہ خود گھر کے اندر تھے، لیکن یہ قیاس ہے کہیں کوئی اس کی تصریح نہیں حضرت نافع۔ نافع حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے جن کی جلالت شان ظاہر ہے، آزاد کردہ غلام تھے، اسلام کی روایات میں غلام کا وہ مفہوم نہیں جو یورپ کی دکستری میں تم کو نظر آتا ہے، یورپ میں غلام مظلومیت کیسی، ذلت، خواری اور جہالت کا مجموعہ ہے، لیکن اسلام میں عزت احسان، وفا، تربیت، علم اور جانشینی آقا کو کہتے ہیں حضرت ابن عباسؓ کا غلام مکرّمہ وہ ہے جس پر علم تفسیر کا مدار ہے۔ اور یہ حضرت ابن عمرؓ کے غلام نافع ہیں۔ جو حدیث و روایت کے استاد و شیخ تھے۔

نافع نے کامل ۳۰ برس حضرت ابن عمرؓ کی خدمت کی ہے، حضرت ابن عمرؓ کے علاوہ اور متعدد صحابہ حضرت عائشہؓ حضرت ام سلمہؓ حضرت ابو ہریرہؓ حضرت ابو سعید خدریؓ وغیرہم سے روایت کی ہے امام اوزاعی، امام زہری، ایوب سختیانی، ابن جریج، امام مالک جیسے ائمہ الحدیث ان سے شرف تلمذ رکھتے ہیں، نافع کی جلالت قدر کا اس سے اندازہ ہوگا کہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے جو خود ایک مجتہد و ناقد فن تھے، نافع کو اہل مصر کی تعلیم کے لئے بھیجا تھا، ۷۱ھ میں نافع نے وفات پائی۔

نافع کے علاوہ امانے مدینہ کے دیگر شیوخ کبار سے بھی حدیث سیکھی جن میں ممتاز لوگ یہ ہیں، محمد بن شہاب الزہری، جعفر صادق بن محمد، محمد بن یحییٰ الانصاری، ابو حازم، یحییٰ بن سعیر،

امام محمد بن شہاب الزہری ان کا نام اصل میں محمد بن مسلم بن عبد اللہ بن عبد اللہ بن شہاب الزہری القرشی ہے، لیکن مشہور صرف ابن شہاب زہری کے نام سے ہیں، صحابہ کے بعد تابعین میں جو لوگ روایت و حدیث کے اساطین ہیں، ان میں امام زہری کا رتبہ حضرت سعید بن مسیب کے سوا سب سے بلند ہے، صحاح سنہ جو اسلام کا کارنامہ مخزن ہے۔ ابن شہاب زہری کی روایات سے مالا مال ہے۔ ابو بکر بن حزم کے بعد علم حدیث کے یہ دوسرے مدون ہیں۔ صحابہ کرام میں سے حضرت انس رضی اللہ عنہ و جابر بن عبد اللہ بن عمرؓ سہل بن سعیدؓ وغیرہم متعدد صحابہ کے دیدار کا اور ان سے روایت کا ان کو شرف حاصل تھا، فقہائے سبعہ اور دیگر شیوخ مدینہ کے سینوں میں جو علم متناثر و پراگندہ تھا، امام زہری پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس کو اپنے سینہ اور سفینہ کے اوراق میں مجتمع کیا، اور یہی علم امام زہری کے بعد امام مالک کے سینہ میں منتقل ہوا، امام مالک کی زبانی مروی ہے کہ ”ابن شہاب زہری جب مدینہ آتے تو ہم طلبائے علم کا ان کے دروازہ پر از و جام

ہو جاتا، امام زہری نے مدینہ چھوڑ کر شام میں سکونت اختیار کر لی تھی، لیکن امام مالک کو یہ بعد گوارا نہ تھا، ایک بار شاگرد نے استاد سے شکایت کی کہ مدینہ میں رہ کر آپ نے طلب علم کی اور جب کامل ہو گئے تو مدینہ چھوڑ کر ادم (واقع شام) جا کر آپ بس گئے، استاد نے جواب دیا، ”مدینہ کے آدمی جب آدمی تھے، تو میں مدینہ میں رہا، اور جب بدل گئے تو میں بھی نکل گیا۔“

امام اثیث مصری اعتراف کرتے تھے کہ ”زہری سے بڑھ کر جامع علم کوئی دوسرا نہیں،“ خود امام زہری کا بیان ہے کہ ”جو چیز میں نے اپنے دل کو سپرد کی وہ کبھی گم نہ ہوئی“ ناقدین حدیث کہتے ہیں کہ امام زہری سے بڑھ کر متن و سند کا کوئی حافظ نہ تھا، امام مالک کے علاوہ امام اثیث مصری، امام ابو حنیفہ، امام ابو زانی، عطاء بن ابی رباح (شیخ زہری) عمرو بن دینار سفیان بن عیینہ، ابن جریج اور اس طبقہ کے امام محدثین امام زہری کے شاگرد تھے، لیکن ان سب سے زیادہ جس نے ان کے نام کو روشن کیا وہ امام مالک تھے حضرت ابن حنبل سے زیادہ رجال کا ناقد اور کون ہو سکتا ہے، ایک دن اُن سے ان کے بیٹے نے پوچھا کہ زہری کے شاگردوں میں سب سے زیادہ وثوق کے قابل کون ہے؟ تو امام ابن حنبل نے جواب دیا کہ ”مالک سب میں سب سے بڑھ کر ہیں۔“ اس زمانہ کی انصاف پسندی دیکھو کہ امام زہری نے باایں ہمہ علم و فضل خود اپنے شاگرد (مالک) سے بھی استفادہ میں مان نہیں کیا ہے، اور بعض شیوخ میں استاد و شاگرد دونوں مشترک ہیں، امام زہری نے ۱۳۲ھ میں وفات پائی۔

جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن ابی طالب معروف بہ امام جعفر صادق
اپنے پدر بزرگوار امام باقر، اور عمرو بن زبیر، عطاء، اور محمد بن منکدر سے روایت حدیث کی، امام ابو حنیفہ، امام مالک، سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری، شعبہ، ابو حاتم، یحییٰ انصاری، آپ کے تلامذہ ہیں۔ ابو حاتم جو ناقدین رجال میں ہیں فرماتے

ہیں کہ ”امام جعفر صادق جیسے بزرگوں کی نسبت یہ پوچھنا کہ وہ کیسے تھے۔ ان کی کسرشان ہے“ ابن حبان کا قول ہے ”امام سادات اہل بیت، عبادتِ تابعین، اور علمائے مدینہ میں سے تھے۔“ یحییٰ بن معین نے ان کو ”موثق و مامون“ کہا ہے، امام موصوف کبھی کبھی اپنے شاگردوں کا امتحان بھی لیا کرتے تھے، ایک بار ابو حنیفہ سے پوچھا کہ اگر بحالتِ احرام کوئی ہرن کے رباعیر (چار اگلے بڑے دانت) توڑ دے تو کیا لازم آئے گا؟ امام ابو حنیفہؒ نے عرض کیا کہ اے فرزند رسول اللہؐ مجھے نہیں معلوم، امام جعفر نے فرمایا، ”ابو حنیفہ! تم بڑے عقلمند بننے ہو، یہ نہیں جانتے کہ ہرن کے رباعیر نہیں ہوتا ہمیشہ شنی (دو بڑے دانت) ہوتا ہے۔“

علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں مصعب بن عبد اللہ سے دو روایتیں نقل کی ہیں، کہ امام مالک نے نبی امیہ کے عہد حکومت تک امام جعفر سے روایت نہیں کی، جب عباسیوں کا زمانہ آیا تو ان سے روایت شروع کی، ممکن ہے کہ یہ صحیح ہو لیکن جس خوف سے عہد اموی میں وہ ان سے احتراز کر سکتے تھے وہ خوف تو عباسیوں کے عہد میں بھی موجود تھا، پھر یہ سیاسی خوف صرف امام مالک ہی کو کیوں ہوتا، اس جرم کے مجرم تو اور بھی تھے، اور سب سے اخیر یہ کہ اگر ان کو اس کا ڈر تھا تو اسی عہد اموی میں ان کے سامنے زانوئے تلمذتہ کرتے کیوں نہ ڈرے، دوسری روایت یہ ہے کہ امام مالک، امام جعفر کے ساتھ جب تک تائیداً دو سرگراوی کو نہیں ملا لیتے، تنہا ان سے روایت حدیث نہیں کرتے، یعنی امام مالک، امام جعفر کو ضعیف فی الروایۃ سمجھتے ہیں، یہ روایت قطعاً غلط اور بے بنیاد ہے، مؤطا خود ہمارے سامنے موجود ہے اکثر روایتیں تنہا امام جعفر سے بغیر ضم راوی آخر موجود ہیں، تعجب ہے کہ علامہ ذہبی نے اس پر کوئی تنقید نہیں کی۔

۳۸۰ امام جعفر کا سال وفات ہے، بعض روایات میں ہے کہ حضرت جعفر صادق

نے وفات کے وقت امام مالک کو اپنا جانشین بنایا لیکن ثقات مورخین کے ہاں مجھ کو یہ روایت نہیں ملی۔

محمد بن المنکدر المدنی کبار تابعین میں ہیں، اپنے باپ منکدر بن عبداللہ اور حضرت عائشہؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابو ایوبؓ، اور حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہم صحابہ عظام سے روایت کرتے ہیں، امام زہری، امام ابو حنیفہؒ، امام مالک، شعبہ، سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری اور دیگر ائمہ حدیث کے شیخ الروایات ہیں، ابن عیینہ کا قول ہے کہ ”محمد بن منکدر صدق و راستی کے معدن تھے، صلحائے مدینہ کا ان کے پاس جمع رہتا تھا۔ ۱۳۱ھ میں وفات پائی۔

محمد بن یحییٰ انصاری، بلند پایہ تابعی تھے، اپنے باپ یحییٰ بن حبان اور اپنے چچا واسع ابن حبان کے علاوہ، کبار صحابہ میں سے حضرت ابن عمرؓ، حضرت انسؓ، رافعؓ، بن خدیج وغیرہم سے روایت کرتے ہیں، امام لیث ابن اسحاق کو ان سے تلمذ ہے مسجد نبوی میں درس دیتے تھے اور ان کا ایک مستقل حلقہ ہوتا تھا، مدینہ میں فتویٰ بھی دیتے تھے، نسائی، ابن معین، ابو حاتم نے ان کی توثیق کی ہے، ۱۲۱ھ میں ۴۷ برس کے سن میں وفات پائی۔

ابو حازم سلمہ بن دینار، صحابہ میں سے سہیل بن سعد سے جو مدینہ کے آخری صحابی تھے، اور جنہوں نے ۱۳۰ھ میں ۱۰۰ برس کی عمر میں وفات پائی، لقاء روایت کا شرف حاصل ہے حضرت عبداللہ بن عمروؓ، عاص اور ابن عمرؓ سے بھی روایت کرتے ہیں، لیکن سماع ثابت نہیں تابعین میں سے محمد بن منکدر، سعید بن مسیب، ام الدرداء الصغریٰ ابو اور ریس خولانی سے تلمذ ہے، امام زہری کو عمر و فضل دونوں میں ان سے بڑے تھے تاہم ان سے حدیث سیکھتے تھے۔ امام مالک، ابن عیینہ ثوری، حماد وغیرہم ان کے شاگرد تھے۔

تحدیثیں ہیں یہ ثقہ اور کثیر الحدیث مشہور ہیں کبھی کبھی مسجد نبوی میں وعظ بھی کہا کرتے تھے۔ ان کے حلقہ درس میں نہایت کثرت سے لوگ بیٹھتے تھے، کبھی ایسا اتفاق ہوتا کہ دیر میں آنے والوں کو جگہ ملنی مشکل ہوتی تھی ایک ایسے ہی موقع پر امام مالک پہنچے، جگہ بھر چکی تھی۔ بیٹھنے کی جگہ نہ تھی امام صاحب واپس چلے آئے۔ لوگوں نے سبب پوچھا تو فرمایا کہ ”میں نے پسند نہ کیا کہ میں حدیث نبوی کھڑے کھڑے سیکھوں۔ امام کا مقصد اس سے یہ تھا کہ بے اطمینانی اور بعد کے سبب صحتِ سماع مشکل تھی۔

ابو حازم نے ۱۳۰ھ کے بعد انتقال کیا۔

ابو سعید کجی بن سعید الانصاری حضرت انس، عدی بن ثابت، علی زین العابدین بن حسین سے تلمذ ہے، امام مالک، شعبہ، ثوری، ابن عیینہ، حماد بن زید، حماد بن سلمہ لیث وغیرہم نے ان سے روایت کی ہے، مدینہ کے عہدہ قضا پر مامور تھے، ابن مدینی کی تحقیق ہے کہ ان کی روایت سے ۲۰۰ حدیثیں ہیں، ابی سعد نے ان کی نسبت لکھا ہے ثقہ کشی الحدیث مجتہد ثبت سفیان ثوری وسفیان بن عیینہ نے ان کو ”مختلطاً“ میں شمار کیا ہے، امام احمد فرماتے ہیں سعید اثبت الناس ۱۳۲ھ سال وفات ہے۔ شیوخ کی تعداد: دیگر شیوخ مدینہ اور بعض شیوخ مکہ و بصرہ و خراسان و جزیرہ سے بھی امام مالک نے روایت کی ہے، موطا میں جن شیوخ سے روایت ہے، ان کی مجموعی تعداد شاہ ولی اللہ صاحب نے مسوئی کے مقدمہ میں ۵۷ بتائی ہے، لیکن اسعاف المبطا برجال الموطا کے تصنیف سے میری تلاش و تحقیق کے مطابق ان کے شیوخ موطا کی تعداد ۹۲ ہے، جن کے نام بہ ترتیب ہجاء و ذکر وطن ہم ذیل میں لکھتے ہیں لیکن یہ تعداد موطا کی ۱۷۲۰ احادیث و آثار کی ہے، ورنہ اصل میں امام مالک کی احادیث صحیحہ و غیر صحیحہ کی تعداد دس ہزار تھی۔ تنقید و بحث کے بعد تقریباً ۸۰۰۰ خارج کردی

گئیں، اگر موجودہ ۲۰، صحیح روایات کی، شیوخ کے ساتھ نسبت پیش نظر رکھ کر
دس ہزار روایات کی مناسبت سے شیوخ کی تلاش کی جاوے تو موجودہ تعداد بہت
زیادہ بڑھ جائے گی، امام مسلم نے امام مالک کے شیوخ کے حال میں ایک مستقل کتاب
لکھی تھی، لیکن اب وہ کہاں ملتی ہے

الف

شیوخ بہ ترتیب ہجاء: ابراہیم بن ابی عبدہ مقدسی، ابراہیم بن عقیبہ
الاسدی المدنی، اسحاق بن عبد اللہ بن ابی طلحہ، اسماعیل بن ابی حکیم المدنی، اسماعیل
بن محمد بن سعد المدنی، ایوب بن تمیمہ سختیانی بصری، ایوب بن حبیبہ المدنی

ب

بکیر بن الاشیخ المدنی

ث

ثور بن زید المدنی

ج

جعفر بن محمد بن علی الہاشمی المدنی، جمیل بن عبد الرحمان المدنی

ح

حمید بن ابی حمید الطویل البصری، حمید بن قیس الاعرج المکی،

خ

خبیب بن عبد الرحمان المدنی

د

داؤد بن حصین الاموی المدنی

ر

رسيعه بن عبد الرحمان الراثي المدني

ز

زياد بن سعد الخراساني، زبيد بن اسلم المدني، زبيد بن ابي انيسه الخزري، زبيد بن بلح المدني

س

سالم بن ابي اميه المدني، سعيد بن اسحاق القضاي المدني، سعيد بن ابي سعيد
كيسان المدني، سلمه بن دينار، ابو حازم المدني، سلمه بن صفوان الانصاري
المدني، سفي الخنزومي المدني، سهيل بن ابي صالح ذكوان المدني

ش

شريك بن عبد الله المدني

ص

صالح بن كيسان المدني، صفوان بن سليم المدني، صفي بن زياد الانصاري المدني

ض

ضمرة بن سعيد الانصاري المدني

ط

طلحه بن عبد الله الخزازي

ع

عامر بن عبد الله الزبير المدني، عبد الله بن ابي بكر بن حزم المدني، عبد الله ودينار
المدني، عبد الله بن ذكوان ابو الزنا والمدني، عبد الله بن عبد الله جابر المدني عبد الله بن
عبد الرحمن ابو طوالة المدني، عبد الله بن فضل بن عباس المدني عبد الله بن يزيد المخزومي
المدني، عبد الله بن سعيد الانصاري المدني، عبد الرحمن بن خزيمة المدني، عبد الرحمن بن

عبد الله بن ابي صعصعة المدني، عبد الرحمن بن قاسم بن محمد بن ابي بكر الصديق المدني، عبد الكريم بن مالك الجزري، عبد المجيد بن سهيل بن عبد الرحمان بن عوف المدني، عبد الله بن سليمان عبد الله بن عبد الرحمان، عطار بن ابي مسلم الخراساني، علقمة بن ابي علقمة بلال المدني عمارة بن عبد الله الانصاري، عمر بن حارث ابوامية المدني، عمرو بن ابي عمر ميرة المدني، عمرو بن يحيى اللاذقي المدني، العلاء بن عبد الرحمان الحرقي المدني،

ف

فضيل بن ابي عبد الله المدني

ق

قطن بن وهب المدني

م

مالك بن عامر الاصمعي المدني، محمد بن ابي امامة سهيل بن حنيف الانصاري المدني محمد بن ابي بكر عوف الحجازي، محمد بن ابي خرم الانصاري المدني، محمد بن عبد الله بن صعصعة المدني محمد بن عبد الرحمن بن نوفل الاسدي المدني محمد بن عمارة بن عمرو الانصاري المدني، محمد بن عمرو بن حنيفة الديلمي المدني محمد بن عمرو بن علقمة الليثي المدني، محمد بن سلم ابو الزبير المكي، محمد بن مسلم ابن شهاب الزهري المدني، محمد بن المنكدر المدني، محمد بن يحيى بن جابر الانصاري المدني، مخزوم بن سليمان الاسدي المدني، محمد بن المنكدر المدني، مخزوم بن بكير الاشجعي المدني، مسلم بن ابي مريم المدني، مسور بن رفاع القرظي المدني، موسى بن ابي تميم المدني، موسى بن عقبة المدني، موسى بن ميرة المدني،

ن

ناقع بن مالك ابو سهيل الاصمعي المدني، ناقع مولى ابن عمر المدني، نعيم بن عبد الله الحجازي المدني

و

وليد بن عبد الله بن صياد المدني، وهب بن كيسان القرشي المدني

۵

ہاشم بن عقبہ بن ابی وقاص المدنی، ہشام بن عروہ بن الزبیر بن العوام المدنی،
بلال بن اسامہ المدنی،

۵

یحییٰ بن سعید بن قیس الانصاری المدنی، یزید بن رومان الاسدی المدنی یزید بن
زیاد المدنی، یزید بن عبداللہ بن اسامہ اللیثی المدنی، یزید بن عبداللہ بن خنیفہ الکندی
المدنی، یزید بن عبداللہ بن بسیط اللیثی المدنی، یونس بن یوسف المدنی،

باب الکتی

ابوبکر بن عمر بن عبدالرحمان بن عبداللہ بن الخطاب المدنی، ابوبکر بن نافع مولیٰ عبداللہ
بن الخطاب المدنی، ابولیلیٰ بن عبدالرحمن المدنی،

غیر مدنی شیوخ :- اگر اس طویل فہرست کو آپ نے بغور پڑھا ہے تو ان
ناموں میں بعض غیر مدنی شیوخ کے بھی نام آپ کو ملے ہوں گے شاہ ولی اللہ صاحب
کے نزدیک وہ ۹۰ شخص ہیں، جیسا کہ مقدمہ مسوئی میں انہوں نے لکھا ہے، لیکن درحقیقت
۹۰ شخص ہیں۔ ایک شام کے ابراہیم بن ابی عجلہ مقدسی، دو مکہ شریف کے محمد بن مسلم ابوالزبیر
المکی، اور حمید بن قیس الاعرج المکی، دو خراسان کے عطاء بن ابی مسلم الخراسانی، اور زیادہ
بن سعد الخراسانی دو جزیرہ کے عبدالکریم بن مالک الجزری، اور زید بن انیسہ الجزری، اور
دو بصرہ کے ایوب بن سختیان بصری اور حمید بن ابی حمید الطویل البصری، امام نے ان ممالک
کا کبھی سفر نہیں کیا، اس لئے ان بزرگوں سے اخذ واستفادہ کا موقع مدینہ ہی میں ملا ہو گا
کیونکہ زیارت و تشرف کی غرض سے اکثر بزرگانِ علم کا سال میں ایک بار اور احیائاً
کئی کئی بار مدینہ میں گذر ہوتا تھا،

علم الفقہ یہاں تک امام کے شیوخ حدیث کی تفصیل تھی، ایک شیخ حدیث یا محدث کے فرائض احادیث کے جمع و روایت روایات کی تصحیح و تضعیف اور اتصال و انقطاع، رفع و ارسال، رجال کی توثیق و تضعیف وغیرہ مباحث من حیث الروایۃ تک محدود ہیں، اس کے بعد ایک فقیہ کے حدود حکومت کی ابتدا ہوتی ہے احادیث کا تضاد و تطابق، نسخ و تطابق، نسخ و تطبیق اور ان سے احکام کا، استنباط و تفریع، ان کے فرض و سنت و استحباب کی تقسیم، غیر مصرح بالنص احکام کا قیاس صحیح ایک فقیہ کے فرائض و خدمات ہیں۔

اس تقریر سے یہ ظاہر ہوا ہو گا کہ ہر فقیہ کے لئے محدث ہونا ضروری ہے کہ اگر وہ نفس حدیث کی صحت و ضعف، رفع و ارسال، اتصال و انقطاع اور رجال کی ثقاہت و عدل و قوت اور دیگر اسباب جرح و تعدیل سے ناواقف ہے تو وہ استنباط و تفریع و تطبیق و نسخ، و دیگر احکام معنوی کی بنیاد کس سطح پر قائم کرے گا؟ اس بنا پر یہ نہایت آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ کسی غیر محدث فقیہ کا تخیل کس درجہ مضحکہ خیز ہے

شیخ الفقہ ربیع الرائی :- امام مالک نے فقہ کی تعلیم کو نافع وغیرہ دیگر شیوخ سے بھی پائی، لیکن اس کی تحصیل ابو عثمان ربیعہ

الرئی سے خاص طور سے کی، ربیعہ مدینہ کے کبار تابعین میں تھے حضرت انسؓ وغیرہ صحابہ کے دامن تربیت میں تعلیم پائی تھی، امام مالک، یحییٰ الانصاری شعبہ، اوزاعی، لیث وغیرہ جو اس طبقہ کے اکابر رجال و اعیان علم ہیں، ان کے شاگرد ہیں، ربیعہ کے ساتھ امام مالک کا اختصاص اس درجہ تھا کہ تاریخ و رجال میں ”شیخ مالک“ ان کے نام کا جزو ہو گیا ہے، اجتہاد و استنباط و تفریع و رائے میں اس قدر معروف و ممتاز تھے کہ ”رائی“ ان کا لقب ہو گیا۔ امام ابن جنبل ان کو ”ثقتہ“ کہتے تھے، ابن شیبہ کا قول ہے کہ وہ ”ثقتہ“ شہت اور مدینہ کے مفتیوں میں سے ایک تھے، خطیب نے لکھا ہے۔ کان فقیہاً عالماً حافظاً للفقہ والمناشی

یعنی وہ فقیہ، عالم اور فقہ و حدیث دونوں کے حافظ تھے۔

ربیعہ الرائی: خاص مسجد نبوی میں درس دیتے تھے، امام مالک حسن بصری، شعبہ، اوزاعی، لیث مصری، یحییٰ انصاری جیسے علمائے افاضل حلقہ درس میں شریک تھے ورنہ اول کا سب سے بڑا محققین فقہاء کا مخزن تھا، اس میں متویٰ دنیا ایک خاص قیادت و قابلیت کا نام تھا ربیعہ الرائی اس خاص لیاقت و قابلیت کے ساتھ متصف تھے اور منجملہ ان اکابر فقہائے محدثین کے تھے جن کو مدینۃ الرسول کے مفتی ہونے کی سعادت حاصل تھی۔ مسافح جو دولت عثمانیہ کا پہلا فرمانروا تھا جب اس نے عہدہ داران حکومت کا انتخاب کرنا چاہا تو قاضی دار الخلافہ کا عہدہ انہی کو سپرد کیا، حکومت عباسیہ کا پہلا پایہ تخت انبار تھا یہیں ۳۳۲ھ میں انہوں نے وفات پائی،

ربیعہ الرائی کے مسائل و اجتہادات لوگوں میں نہایت مقبول اور پسندیدہ تھے، امام مالک جواب ایک مستقل مجلس درس کے مالک تھے، ایک بار اپنی مجلس درس میں ربیعہ الرائی کی احادیث و اجتہادات کا ذکر فرما رہے تھے۔ لوگوں کو اتنی دلچسپی ہوئی کہ امام صاحب جب کہہ کر خاموش ہوئے تو عرض کی کہ کچھ اور ان کے اجتہادات و احادیث بیان فرمائیے، امام نے کچھ اور بیان کیا لوگوں کی تشنگی اب بھی کم نہ ہوئی۔ خواہش کی کہ کچھ اور ان کے مسائل بیان فرمائیے، امام نے فرمایا کہ تم ربیعہ الرائی کو کیا کرو گے دیکھو وہاں سوتے ہیں، لوگوں کو تسلی نہ ہوئی اور وہاں پہنچے، امام مالک فرمایا کرتے تھے کہ جب سے ربیعہ نے انتقال کیا، فقہ کا مزہ جاتا رہا۔

ان کی زندگی کا ایک عجیب واقعہ ہے، یہ ابھی حمل میں تھے کہ ان کے باپ قرخ خراسان کی جنگ میں سپاہی بن کر گئے، اور بیوی کو ۳۰ ہزار سپرد کر گئے، وہاں سے ۲۷ برس کے بعد ان کو لوٹنا نصیب ہوا، اس اثنا میں ربیعہ جوان ہو کر صاحب کمال ہو چکے تھے، مسجد نبوی میں ان کی مجلس درس منعقد ہوتی تھی، ماں نے تمام دولت بیٹے کی

تعلیم پر صرف کر دی تھی، فرخ گھر پہنچے تو اپنا گھر سمجھ کر بلا تردد گھر کے اندر قدم رکھا، ربیعہ نے دیکھا کہ ایک غیر شخص اس بے باکی سے اندر گھسا چلا آتا ہے، ڈانٹا کہ خبردار جو اندر قدم رکھا، فرخ نے جب ایک اجنبی مرد کو گھر کے اندر پایا تو وہ غصہ سے بیتاب ہو گئے، باپ بیٹے دونوں نے آستینیں چڑھالیں، حملہ والوں میں شور ہو گیا، امام مالک کو خبر ہوئی تو وہ دوڑے آئے، لوگوں نے امام مالک کو دیکھا تو خاموش ہو گئے امام مالک نے فرمایا: ”بڑے میاں! اور بھی مکانات ہیں وہاں چل کر ٹھہرو“ فرخ نے کہا ”یہ میرا مکان ہے اور میرا نام فرخ ہے“ بیوی نے نام سنا تو آواز پہچانی، باہر نکل آئی۔ اور باپ بیٹے دونوں کو گلے لگایا۔

جب سکون ہوا تو فرخ نے بیوی سے روپیہ کا حساب پوچھا، بیوی نے جواب دیا کہ بحفاظت دفن کر دیا ہے، فرخ جب مسجد نبوی میں نماز پڑھنے گئے تو بیٹے کو فضل و کمال کی مسند پر متمکن دیکھا، شادان و فرحان گھر آئے، اور بیوی سے ذکر کیا، بیوی نے کہا کہ ”تم کو اپنے بیٹے کی یہ جاہ و منزلت عزیز ہے یا وہ ۳۰ ہزار دینار“ فرخ نے کہا ”اپنے بیٹے کی یہ جاہ و منزلت عزیز ہے“ بیوی نے جواب دیا کہ ”اسی خاک میں میں نے وہ خسرانہ دفن کیا ہے“،

امام مالک کے شیوخ و اساتذہ کی یہ تعداد اس زمانہ کی کثرتِ شیوخ کے مذاق کے لحاظ سے نہایت کم ہے، اور عجیب نہیں کہ اس پر لوگوں کو تعجب آئے جو تعداد کو افضلیت کا معیار جانتے ہیں، لیکن درحقیقت اس میں بھی امام مالک کے لئے عزیت خاص مضمحل ہے،

امام مالک کا انتخاب شیوخ :- صحابہ کے بعد تابعین کا دور شروع ہوا، یہ دور ثانی یا قرن ثانی کو عمومیت اور اکثریت

کے لحاظ سے خیر و برکت کا عہد اور صدق و طہارت کا وقت تھا، تاہم زمانہ کا کوئی

دور کبھی ایسا نہیں گذرا اور نہ گذر سکتا ہے، جب مجمع انسانی غیر سعادت مند نہ غنصر کے شائبہ سے بالکل خالی ہو، زمانہ کے خیر یا اثر ہونے کا فیصلہ صرف نسبت ہو سکتا ہے، صحابہ کا قرن اول اپنے ماقبل و مابعد کی نسبت سے خیر القرون تھا، تاہم وہ ماعز اور زن مخزومید امثالہما کے وجود سے خالی نہ تھا گو یہ ہستیاں بھی قرون مابعد کے اختیار و ابرار سے شرف محبت قوت ایمان، اعتراف قصور و خشیت الہی، اور توبہ و ندامت میں بدرجہا بہتر تھیں، عفی اللہ عنہم،

صحابہ کے بعد تابعین کا زمانہ بھی اپنے مابعد کے لحاظ سے برکات کا مجمع اور کمالات کا منبع تھا، تاہم مادی آبادی میں طوائف انسانی کے جو اقسام ہیں ان سے یکسر پاک نہ تھا، بیسیوں آدمی قصداً جھوٹ بولتے تھے، بیسیوں آدمی اپنی غایت زہد و سادہ دلی سے ہر بولنے والے کو سچا سمجھ کر بلا تامل اس کی بات نقل کرتے تھے اس طرح نادانستہ کذب بیانی میں مبتلا ہو جاتے تھے، سینکڑوں غیر نقیبہ راوی ایسے تھے جو اپنی روایات کا خود محل و مفہوم نہیں سمجھتے تھے، کچھ ایسے تھے جو عدم ممارست فن کے سبب سے جید دردی میں تمیز نہیں کر سکتے تھے، لیکن چونکہ اس زمانہ کی آب و ہوا میں روایت حدیث اور اشاعت قول نبوی کا مذاق پھیل چکا تھا۔ اور یہی اس وقت عز و شرف کا ذریعہ تھا، اس لئے اہل فضل اور مستحقین علم کے پہلو بہ پہلو نااہل اور غیر مستحقین بھی اپنی مسند بچھاتے پھرتے تھے، باہر کے ناواقف آفاقی جن میں زیادہ تر عراقی تھے، ہر سپید کوسم خالص سمجھ کر ہر ڈھیر سے بلا تمیز ایک خردارہ اٹھاتے پھرتے تھے، اور اس بارگراں کے ساتھ جب گھر لوٹتے تھے تو اپنے کو سب سے بڑے ڈھیر کا مالک سمجھ کر خوش ہوتے تھے، خصوصیات شیوخ امام۔ امام مالک کا مدینہ وطن تھا، بچپن سے علماء میں تربیت پائی، ایک ایک صاحب حدیث سے برسوں ملاقاتیں رہیں۔ ہر ایک سرمایہ دار کی جنس متاع کے ایک ایک ذرہ سے واقف

تھے اور درحقیقت یہ غیر ممکن ہے کہ غیر مستحقین کی نااہلیت خود اپنے اربابِ وطن سے مخفی رہے۔

امام مالک نے صرف انہی اساتذہ فن سے اخذ کیا، جو اہلیت و استحقاق کے مسند نشین تھے اور صرف ان شیوخ کے حلقہ درس میں بیٹھے جو صدق و طہارت میں معروف اور حفظ و فقہ میں ممتاز تھے، امام مدوح ہمیشہ تحدیثِ نعمت کے طور پر فرمایا کرتے تھے کہ میں کبھی کسی غیر فقیہ (سفید) کی مجلس میں نہیں بیٹھا، امام ابن جنبل فرماتے ہیں کہ یہ خصوص نعمت تھی جو صرف حضرت امام مالک کے حصہ میں آئی امام صاحب اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ”اس مسجد (نبوی) میں ان ستونوں کے پاس میں نے ستر شیوخ کو پایا جو قال رسول اللہ قال رسول اللہ کہا کرتے تھے لیکن ان میں ایک کے پاس بھی نہیں بیٹھا کبھی فرماتے۔ مدینہ میں بیسیوں اشخاص تھے جن سے لوگ حدیث سیکھتے تھے، لیکن میں نے کبھی ان سے اخذ علم نہیں کیا یہ چند قسم کے لوگ تھے، یہ چند قسم کے لوگ تھے، بعض نادانستہ جھوٹ بولتے تھے، بعض مغرضان سے ناواقف تھے، بعض پورے جاہل تھے

ابن وہب :- جو امام صاحب کے نامور شاگرد ہیں، ذکر کرتے ہیں کہ اما صاحب نے فرمایا کہ مدینہ میں ایسے کتنے مقدس لوگ تھے کہ اگر بارش کی دعا مانگی جاتی تو ان کی برکت سے آسمان سے پانی ٹپک پڑتا اور بہت سے احادیث اور مسائل کی ان کو سماعت بھی حاصل تھی، لیکن میں نے ان سے استفادہ نہیں کیا، کیونکہ وہ صرف متقی و زاہد تھے اور یہ حدیث و روایت اور فتویٰ کا لام صرف زہد و اتقا اور پرہیزگاری کے ساتھ علم و فہم اور پختگی کی حاجت ہے، وہ یہ جانتا ہو کہ اس کے منہ سے کیا نکل رہا ہے۔ اور کل قیامت کے دن یہ معاملہ کہاں تک پہنچے گا جس زہد کے ساتھ پختگی اور دانائی نہ ہو، وہ اس راہ میں مفید نہیں اور نہ وہ حجت ہے اور نہ ایسوں سے علم اخذ کرنا چاہیے۔

امام کے بھانجے اسماعیل ابن ابی اویس روایت کرتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں مالک کو کہتے سنا ہے کہ یہ علم حدیث دین ہے، ذرا دیکھ لو کہ کس سے حاصل کرتے ہو، میں نے کہا میں نے ان ستونوں کے پاس ستر آدمیوں کو قال رسول اللہ قال رسول اللہ کہتے سنا، لیکن میں نے ان سے ایک حرف نہیں سیکھا، حالانکہ اُن میں سے ہر شخص اس لائق تھا کہ اگر ایک خزانہ بھی ان کے سپرد کر دیا جاتا تو ان کی ایمان داری اور دیانت کے شیشہ میں بال نہ آتا لیکن وہ اس فن کے آدمی نہ تھے۔

مطرف بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ میں نے امام کی زبان سے اُن کا قول سنا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ ”میں نے اس شہر میں بہت سے نیک و صالح لوگوں کو پایا لیکن ان سے میں نے حدیث نہیں سنی، لوگوں نے سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ ”جو وہ کہتے تھے وہ سمجھتے نہ تھے۔“

امام صاحب اہل عراق سے کیوں روایت نہیں کی :- امام کے شیوخ میں کوئی عراقی

نہیں ہے، ابو مصعب جو امام کے شاگرد اور مشہور محدث ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ امام صاحب سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے اہل عراق سے کیوں روایت نہیں کی؟ جواب میں فرمایا کہ ”میں کیا ان سے روایت کروں؟ میں نے ان کو دیکھا ہے کہ وہ یہاں آکر ان لوگوں سے حدیث سیکھتے ہیں، جن پر وثوق نہیں کیا جاسکتا۔“ ابو مصعب کا بیان ہے کہ میں نے کہا کہ وہ اپنے شہر میں بھی ایسے ہی لوگوں سے روایت کرتے ہیں۔ اسی قسم کا سوال ایک بار امام مالک سے شعیب بن حرب نے کیا کہ ”آپ لوگ اہل عراق سے کیوں نہیں روایت کرتے؟“ امام صاحب نے کیا معقول جواب دیا، فرمایا کہ ہمارے بزرگوں نے ان کے بزرگوں سے روایت نہیں کی، اس لئے ہمارے پچھلوں نے بھی ان کے پچھلوں سے روایت نہیں کی۔“

امام مالک۔ جب کسی غیر مدنی شیخ سے اخذ حدیث کرنا چاہتے تھے تو ہمیشہ اس کا تجربہ و نقد کر لیتے تھے، امام کا کوئی شیخ اگر عراقی کہا جاسکتا ہے تو وہ بصرہ کے ایوب بن سختیانی مشہور تابعی المتوفی ۱۳۷ھ ہیں جن کی نسبت ابن سعد کہتے ہیں۔ کان حجة ثقة ثبتا فی الحدیث جامعاً کثیر العلم اور جن کو شعبہ نے سیّد الفقہاء کا خطاب دیا ہے، اور جن کا نام رجال میں احد الاثمة الاعلام کے وصف کے ساتھ لیا جاتا ہے، امام مالک فرماتے ہیں کہ مکہ میں حج کے موقع پر ان کو دو سال میں نے دیکھا لیکن ان سے کوئی حدیث نہیں لکھی، تیسرے سال دیکھا کہ وہ صحن زمزم میں بیٹھے ہیں، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی لیا جاتا تو وہ اتنا روئے کہ مجھ کو گرم آتا تھا، جب یہ حال دیکھا تو ان کی حدیث لکھی۔

اپنے دادا اور بعض فقہائے سبعہ سے کیوں نہیں روایت کی

تعجب ہوتا ہے کہ امام جب سن رشد کو پہنچے تو اس وقت آپ کے دادا مالک بن ابی عامر زندہ تھے، ان کی وفات کے وقت امام کی عمر ۱۲، ۱۳ برس کی تھی فقہائے سبعہ میں سے سالم بن عبداللہ نے ۱۰۶ھ میں وفات پائی جب کہ امام کی عمر ۱۶ برس کی تھی سلیمان بن یسار نے ۱۰۸ھ میں انتقال کیا، اور اس وقت امام ۱۷ سال کے تھے، تاہم ان بزرگوں سے بلا واسطہ کوئی روایت نہیں کی! اس کا سبب خود امام صاحب نے بیان فرمادیا ہے کہ ”مدینہ میں بعض ایسے لوگوں کا زمانہ میں نے پایا ہے کہ وہ ۱۰۰ برس ۱۰۵ برس کی عمر کو پہنچ گئے تھے، لیکن ایسے بوڑھوں کی روایت نہیں لی جاتی ہے، اور اگر کوئی لے تو عیب شمار کیا جائے گا“ اور یہ بالکل سچ ہے۔ کیونکہ عمر کے ضعف کا حفظ و عقل کے ضعف پر جو اثر پڑتا ہے اس کا کون انکار کر سکتا ہے؟

امام مالک کے اس احتیاط و تمیز و نقد کا یہ اثر ہوا کہ امام مالک جس شیخ

سے روایت کرتے تھے وہ ثقاہت و عدالت و حفظ میں نشان سمجھا جاتا تھا، کچھ بس معین جو بصرین فن حدیث کے امام ہیں فرماتے ہیں کہ ”ہم لوگ امام کے آگے کیا ہیں؟ ہم لوگ تو امام مالک کے نقش قدم پر چلتے ہیں، جب کسی شیخ کا نام آتا ہے تو دیکھتے ہیں کہ امام مالک نے اس سے لیا ہے یا نہیں، اگر نہیں لیا ہے تو چھوڑ دیتے ہیں“ احمد بن حنبل سے کسی نے ایک راوی کی نسبت پوچھا، انہوں نے فرمایا کہ ”میرے نزدیک وہ اچھا ہے کیونکہ امام مالک نے اس سے روایت کی ہے“

اساتذہ آپ کے معترف تھے امام مالک فطرنا قوی الحافظ تھے خود فرمایا کرتے تھے کہ کوئی چیز میرے خزانہ

دماغ میں آکر پھرنے لگتی اور خود دوسروں کو اس کا اعتراف تھا، ابو قتلابہ کہتے ہیں کان مالک احتفظ اھل زمانہ ایک بار جب استاد ربیعہ کی معیت میں امام زہری کی مجلس میں حاضر ہوئے امام زہری نے اس دن چالیس سے زیادہ حدیثوں کا اطلاق کیا دوسرے دن پھر مجلس منعقد ہوئی تو امام مالک اپنے استاد کے ساتھ پھر حاضر ہوئے امام زہری نے کہا کتاب لڑو میں اس سے بیان کروں، کل جو میں نے بیان کیا اس سے تم کو کیا فائدہ ہوا؟ ربیعہ نے کہا اس مجلس میں ایک شخص ہے جو کل کی تمام حدیثیں زبانی سنا دے گا، زہری نے پوچھا کہ وہ کون ہے، ربیعہ نے کہا، ابن ابی عامر، زہری نے اشارہ کیا کہ سناؤ، اما صاحب فرماتے ہیں کہ چالیس حدیثیں میں نے سنائیں، زہری نے تعجب سے کہا کہ میرا خیال تھا کہ میرے سوا کسی کو یاد نہیں ہیں۔

شوقِ علم اور فراغِ قلب بہت کم جمع ہوئے ہیں امام بخاری پر ایک وقت تین دن ایسے گزرے ہیں، جن میں انہوں نے جنگل کی بوٹیوں پر قناعت کی ہے، اور یہ

لے ان تمام اقوال کے لئے دیکھو متعدد اسعاف لے مذکورہ ہی ترجمہ مالک لے ترمذی الممالک صفحہ مصر لے ترمذی الممالک ص ۱۰۰ مصر

ان کی زندگی کا مشہور واقعہ شمار ہوتا ہے، امام مالک بھی اس راہ میں پیچھے نہیں ہیں فقر سے نوبت یہاں تک پہنچی تھی کہ چھت کی کڑیاں فروخت کر کے ضرورتیں پوری کیں، لیکن دستِ طلب علم کوتاہ نہیں کیا، اسی لئے امام مالک فرمایا کرتے تھے کہ لا یبلغ احد ما یرید من هذا العلم حتی یفسد بہ الفقر ویوشک علی کل حال یعنی اس علم میں کمال اس وقت تک نہیں حاصل ہوتا جب تک وہ مبتلائے فقر نہ ہو، اور اس پر بھی وہ بہر حال طلب علم کو ترجیح نہ دے۔ امام مالک طلب علم کے لئے بجز موسم حج کے مدینہ سے باہر نہیں نکلے۔ اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ ان کو طلب علم کے لئے محنت نہیں اٹھانا پڑی، ابن سعد نے امام مالک سے بیک واسطہ روایت کی ہے کہ نافع سے حدیث سیکھنے کا وقت ٹھیک دوپہر کو مقرر تھا، دوپہر کی دھوپ میں بلا سایہ شہر سے باہر بقیع میں جاتا تھا، جہاں اُن کا مسکن تھا، مدینہ کے ایک فقیہ ابن ہریر تھے، ان کے گھر صبح کو آتا تھا تو رات کو جاتا تھا۔

مجلس درس

گزشتہ باب میں معلوم ہو چکا ہے کہ امام صاحب کی لیاقت و استحقاق کا اثر عام طور سے کیا جا رہا ہے اور اس بنا پر خود امام کے شیوخ کی موجودگی میں مستفیدین کا الگ حلقہ قائم ہو چکا تھا، شیخ الفقہ ربیعہ المتوفی ۱۳۶ھ زندہ ہی تھے کہ امام مالک فقہ و فتویٰ کے مرجع بن گئے، اور ربیعہ کی وفات کے بعد وفقہ وراثی و اجتہاد کے

لے تذکرہ ذہبی ج ۱ ص ۱۰۰ عن ابی نعیم فی الحلیۃ لابن نعیم ص ۱۵۱ مصر، ۱۰۰ عن ابی نعیم فی الحلیۃ لابن خلکان ترجمہ مالک،

مجمع علیہ امام تسلیم کر لئے گئے ابن اہلبیعہ جو مقرر کے ایک شیخ حدیث ہیں انہوں نے شیخ مدینہ ابوالاسود نعیم بن عروہ بن زبیر سے پوچھا کہ ربیعہ کے بعد مدینہ میں فقہ واجتہاد کا امام کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ نوجوان اصبحی (مالک بن انس اصبحی) مجلس حضرت ابن عمرؓ: فن حدیث میں امام صاحب کے خاص شیخ حضرت نافعؓ مولیٰ ابن عمر رضی اللہ عنہما تھے حضرت

عبد اللہ بن عمرؓ صحابہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال و سنن کے سب سے زیادہ عالم تھے، امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ کے مناقشات کے موقع پر بعض صحابہ کی رائے تھی کہ حضرت ابن عمرؓ خلیفہ اسلام ہوں، آپ نے فرمایا کہ ”اسی خلافت جس میں کسی مسلمان کا ایک قطرہ بھی خون گرے مجھے منظور نہیں“ اکثر صحابہ فرمایا کرتے تھے کہ ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ابن عمرؓ کے سوا ہر شخص کچھ نہ کچھ بدل گیا، حضرت ابن عمرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ساٹھ برس تک حدیث وفقہ و فتویٰ و ارشاد کے مرکز رہے،

مجلس نافع: حضرت نافعؓ کا مکمل ۳۰ برس تک سفر و حضر، قیام و قعود، لیل و نہار خلوت و جلوت میں ہمیشہ حضرت ابن عمرؓ کے ساتھ رہے، اور ان کے بعد ان کی مجلس درس میں ان کے جانشین ہوئے رضی اللہ عنہ میں وفات پائی، امام مالک کم از کم ۱۲ برس حضرت نافعؓ کے درس میں رہے۔

مجلس مالک: حضرت نافعؓ کی وفات کے بعد امام مالکؓ ان کے جانشین ہوئے شعبہ جو کوفہ کے راس المحدثین تھے وہ بیان کرتے ہیں کہ نافعؓ کی وفات کے ایک سال بعد مدینہ آیا تو دیکھا کہ مالکؓ ایک حلقہ کے صدر نشین ہیں“ اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام صاحبؓ نے ۱۷ سال میں اپنی مجلس درس مستقل قائم کی، امام صاحبؓ کی مجلس درس ہمیشہ پرتکلف فرش اور بیش قیمت قالینوں سے

لے ترمیم الممالک ص ۹ عن ابن قتی ۱۷ تذکرہ الحفاظ، یہی ترجمہ مالک،

آراستہ رہتی تھی۔ وسط مجلس میں شہ نشین تھی جس پر امام صاحب ف اعلیٰ حدیث کے موقع پر رونق افروز ہوتے تھے۔ جا بجا شرکاء مجلس کے لئے پنکھے پڑے رہتے تھے، جب حدیث کا درس ہوتا، مگر میں عود و لبان جلا یا جاتا، صفائی و نزاہت کا یہ عالم تھا کہ فرش پر ایک تکڑا بھی بارِ خاطر ہوتا تھا، جب حدیث نبوی کے اہل کا وقت آتا، پہلے وضو یا غسل کر کے عمدہ اور بیش قیمت پوشاک زیب تن فرماتے بالوں میں کنگھی کرتے، خوشبو لگاتے، اور اس اہتمام کے بعد مجلس علمی کی صدارت کے لئے باہر تشریف لاتے۔ تمام لوگ سرنگوں خاموش مؤدب بیٹھتے تھے۔ یہاں تک کہ امام ابو حنیفہ بھی جب امام کی مجلس درس میں اگر شریک ہوتے تو وہ بھی اسی طرح مؤدب ہو کر بیٹھتے۔ اس وقت امام صاحب کی اولاد سے شکوہ اور وقار کا اظہار ہوتا تھا، تمام مجلس ایک مقدس سکوت طاری رہتا تھا امام شافعی فرماتے ہیں کہ ہم لوگ کتاب کے ورق بھی اس ڈر سے نہیں الٹتے تھے کہ کھر کھر ہٹ کی آواز نہ ہو، جاہ و جلال اور شان و شکوہ سے کاشانہ امامت پر بارگاہ شاہی کا دھوکہ ہوتا تھا، طلبہ کا ہجوم، مستفتیوں کا ازدحام امر اکا و رود، علما کی تشریف آوری، سیاحوں کا گذر، حاضریں کی مؤدب نشست و برخاست پر سوار یوں کا انبوه دیکھنے والوں پر رعب و وقار طاری کر دیتا تھا، اسی موقع پر ایک شاعر کا گذر ہوا تو بے اختیار اس کی زبان سے یہ دو شعر نکل گئے۔

یدلج الجواب فما یراجع ہیبة	والتائلون نواکس الاذقان
اگر امام جواب نہیں دیتے تو ہیبت پہنچا نہیں جاسکتا	پوچھنے والے سر نیچے کئے رہتے ہیں
ادب الوقار و عز سلطان التقی	فہو المہاب و لیس ذاسلطان
وقار کا ادب اور سلطان تقویٰ کا جوا جلال ہے	لوگ اس سے ڈرتے ہیں حالانکہ یہ صاحبِ حکومت نہیں

ہاں امام، صاحب حکومت تھے، لیکن صاحب حکومت اس آستانہ پر اگر چمکتے تھے۔

لے تڑپیں المالک تعلقاً عن ابی نعیم والغازی ص ۱۱۳، ۱۱۴ و بیستان المحدثین ترجمہ مالک سے تذکرہ ذہبی ترجمہ مالک،

امام شافعی نے اپنی تعلیم کے لئے والی مدینہ کو بغرض سفارش جب درامامت پر لانا چاہا تو اس نے کہا "میرا کہاں وہاں گذر" ہارون رشید جب مدینہ آیا تو امام صاحب سے موطا کی سماعت کی خواہش ظاہر کی، امام صاحب نے فرمایا کہ "کل کا دن اس کے لئے ہے" ہارون رشید منتظر رہا کہ امام صاحب دربار میں خود آئیں گے، کل کا دن مجلس درس میں تشریف فرما رہے، ہارون رشید نے پوچھا تو فرمایا کہ العلم یزاد ولا یزود" اور آخر ہارون رشید کو بایں ہمہ جاہ و جلال خود امام کی مجلس میں حاضر ہونا پڑا۔

مجلس میں عام و خاص کی تمیز نہ تھی، ہارون نے جب درس کی شرکت کا ارادہ کیا تو کہا کہ عام لوگوں کو باہر کر دیجئے، امام صاحب نے فرمایا کہ "شخصی منفعت کے لئے عام افادہ کا خون نہیں کیا جا سکتا" اللہ اکبر! کیا پاک روحیں تھیں۔

آداب درس حدیث کا اہل مسجد نبوی یا مجلس درس سے باہر نہیں کرتے تھے، مہدی اور ہارون دونوں نے خیمہ خلافت میں اہل کی خواہش کی لیکن امام نے انکار کر دیا، جلدی میں یا کسی کام کی مصروفیت میں یا راہ چلتے ہوئے حدیث نہیں بیان فرماتے تھے کہ خلاف ادب ہے، اور اصل یہ ہے کہ سماع و فہم حدیث کے لئے اطمینان اور حضور قلب چاہئے جو ان موقعوں پر عموماً مفقود ہوتے ہیں، اس لئے احتراز فرماتے تھے، مجلس میں زور زور سے بولنا بھی وہاں خلاف ادب تھا، ایک بار خلیفہ منصور امام سے مسجد میں مناظرہ کر رہا تھا آواز نہایت بلند ہو رہی تھی۔ امام نے ڈانٹ کر یہ آیت پڑھی۔

لَا تَرْفَعُوا أَصْوَابَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ

پیغمبر کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کرو۔ عادت شریف یہ تھی کہ صبح کی نماز کے بعد طلوع صبح تک مصلیٰ پر اور ادو وظائف میں مشغول رہتے، طلوع صبح کے بعد لوگ آنا شروع ہوتے۔ امام صاحب لوگوں کی طرف

متوجہ ہو کر ایک دفعہ آدمیوں سے خیریت پوچھتے، مجلس کی یہ ترتیب تھی کہ قریب ترجید و متعدد صاحب فہم طلبہ کو جگہ دیتے، پھر علی قدر المراتب لوگ آکر بیٹھتے جاتے، ابتدائے درس سے پہلے فرمادیتے کہ ”متعدد و صاحب فہم لوگ قریب بیٹھیں“، املا، آہستہ اور سکون کے ساتھ کرتے، ایک حدیث ختم ہو جاتی تو دوسری حدیث شروع کرتے۔

طریقہ درس مختلف شیوخ کی مجالس میں درس کا طرز مختلف تھا، اکثر شیوخ

کا دستور یہ تھا کہ وہ خود کسی بلند مقام پر بیٹھ جاتے، یا کھڑے ہو جاتے، طلبہ بہ ترتیب پس و پیش قلم دوات لے کر بیٹھ جاتے، شیخ زبانی یا اپنا جزہ حدیث ہاتھ میں لے کر اس سے املا کرتے۔ طلبہ لکھتے جاتے تھے مجلس درس میں اگر غیر معمولی اجتماع ہوتا تو تھوڑی تھوڑی دور پر مستحلی کھڑے ہوتے جو شیخ کے الفاظ بعینہ آگے کو پہنچاتے، امام مالک بھی کبھی کبھی اس طریقہ سے درس دیتے تھے، ابن علیہ جو ایک جید شاگرد تھے، امام کے مستحلی تھے،

لیکن مدینہ کے اکثر شیوخ کا دستور یہ تھا کہ وہ اپنی احادیث و فتاویٰ و تعلیقات کو پہلے قلمبند کر لیتے، یا کسی متعدد و صاحب فہم شاگرد کو لکھنے پر مامور کرتے، لکھے ہوئے اجزا کا تلب کے ہاتھ میں ہوتے اور وہ مجلس میں اس کو پڑھتا، شیخ جابجا اس کے مطالب کی تشریح و کمر تاجاتا۔ کاتب سے غلطی ہوتی تو اس کی تصحیح کر دیتا، امام صاحب کے کاتب کا نام ابن حبیب تھا جن کا شمار محدثین کبار میں ہے، اور کبھی معن بن عیسیٰ، یا اور دیگر تلامذہ پڑھتے، یہی سبب ہے کہ امام کے بعض تلامذہ مثلاً یحییٰ جن کی روایت بخاری میں ہے بجائے حدثنا مالک و اخبرنا مالک کے قرأت علی مالک کہتے ہیں۔

امام صاحب اس اصول کی بشدت پابندی کرتے تھے، یحییٰ بن سلام اسی بات پر ناراض ہو کر مجلس سے اٹھ گئے کہ ”خود نہیں پڑھتے، شاگردوں سے پڑھوا آتے ہیں“۔ یحییٰ بن سلام تو خیر ایک ادنیٰ شاگرد تھے۔ خود خلیفہ وقت ہارون نے امین و ماموں کے لئے کہا کہ آپ پڑھیے۔ یہ سنیں تو شیوخ مدینہ کا نام گنا کر فرمایا کہ ہمارے

شہر کے شیوخ کا یہی دستور تھا، اور کیا عجیب بات ہے کہ جس امر پر لوگوں کو اس قدر اصرار تھا وہی آج ایک مدت سے تمام مدارس اسلامیہ کا دستور عام ہے۔

اس طریقہ کی خوبی: شیوخ مدینہ کا یہ طریقہ متعدد وجوہ سے افضل و محفوظ ہے، مجمع عام میں جب کوئی شخص بولنے کے لئے کھڑا ہوتا

ہے تو عموماً عجلت کثرت از و حام اور کبھی مرغوبیت کے سبب سے اس کی مسامحت ممکن ہے، بخلاف اس کے اگر پہلے سے لکھ لیا جائے تو فراغ خاطر، اطمینان قلب اور فرصت فکر و مراجعت کے سبب سے صحت و حفظ و ثوق کے ذرائع زیادہ ہیں۔ محدث کا خود قرأت نہ کرنا، اس لئے زیادہ مناسب ہے کہ وہ دوبارہ سن کر اپنے مسودہ کی تصحیح کر سکے۔ کیونکہ خود پڑھنے میں اکثر دیکھا گیا کہ زبان و نظر اپنی یاد کی بنا پر غلط لکھے ہوئے کو صحیح پڑھتی ہے، دوسرا اجنبی شخص ہر سطر پر بار بار ٹھہرتا ہے۔ اور اس طرح معلم کو ہر مرتبہ غلطی پر تنبیہ ہوتی ہے۔ لیکن اس سے بھی بہتر مصلحت اس میں یہ ہے کہ اکثر فقہائے محدثین احادیث و آثار کے ساتھ اپنی ذاتی رائے یا کسی لغت کی شرح بھی بیان کرتے جاتے تھے۔ چنانچہ امام زہری کا یہی طرز تھا، لیکن اس طرز میں ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ اکثر طلبہ اصل اور اضافہ میں تمیز نہیں کر سکتے تھے متن حدیث اور شیخ کے کلام میں ان کو اشتباہ ہوتا تھا، امام مالک کا جو طرز تھا وہ نہایت محفوظ تھا، اصل تو کاتب پڑھتا تھا اور اضافہ خود اپنی زبان مبارک سے ادا کرتے تھے، اس طرح ہر طالب علم کو اصل و اضافہ و ادراج میں فرق معلوم ہو جاتا تھا۔

مجلس درس کی شہرت: ایک تو مدینہ خود اسلام کا گہوارہ اور نسلاً بعد نسل علم دین کا مرکز تھا۔ دوسرے یہ کہ امام ہمام

کا خاندان ابتداءً علم کے ساتھ ایک خاص نسبت رکھتا تھا، ان اضافی اوصاف کے ساتھ خود ذاتی جوہر نے وہ پروبال نکالے کہ دنیا بے اسلام مشرق سے مغرب تک

امام کے آوازہ شہرت سے معمور ہو گئی اور امام کی درسگاہ اختلاف مرز و بوم کی تپلوں
زار بن گئی۔

وسعت جغرافیہ: ایک طرف سیتان دوسری صدی کی مملکت اسلام کا مشرقی
گوشہ، اور دوسری طرف قرطبہ دنیائے اسلام کا مغربی
گوشہ دونوں کے ڈانڈے مدینۃ الرسول کی سرحدیں اگر مل گئے (ممالک عرب)
مدینہ، مکہ، صنعاء، الیم، سیراف، عدن، طائف، یمامہ، حجر، حضرموت، زبید، فک
بلقا (ممالک)، شام، دمشق، عسفان، خلاط، مصیصہ، بیروت، حمص، طرسوس، رملہ
نصیبین، حلب، بیت المقدس، اردن، صور، انطاکیہ (ممالک عراق) بغداد، بصرہ، کوفہ
حران، موصل، جزیرہ، واسط، انبار، رقه رہا۔ (ممالک عجم) جرجان، کرمان، ہمدان،
رے، طالقان، نیشاپور، طبرستان، طوس، مدائن، قزوین، قوہستان، صنعان، آمد
کردستان، دینور، سجستان (ممالک ترکستان) ہرات، بخارا، سمرقند، خوارزم، مرو
سرخس، ترند، بلخ، نسا (ممالک مصر) مصر، اسکندریہ، فیوم، اسوان، تینس
(ممالک افریقہ) افریقہ، تونس، قیروان، برقه، طرابلس، مغرب، مراکش (ممالک اندلس)
طلیطل، سبط، باجر، قرطبہ، سرقسطہ، اٹلی، سسلی (ایشیائے کوچک) از میر یعنی سمرنا
الغرض ایشیا، افریقہ اور یورپ ہر سہ معلوم براعظم سے مسافران علم کے کاروان انقطاع
مدینہ کا رخ کرنے لگے، اور اس طرح پیغمبر مدینہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشنگوئی پوری
ہوئی۔

عن ابی ہریرۃ عند الترمذی	ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی
وابن حبان والطبرانی وعن ابی	نے فرمایا ہے کہ عنقریب وہ زمانہ
مومنی الاشعری عند الحاكم عن	آئے گا جب لوگ طلب علم
النبی صلی اللہ علیہ وسلم یدشک ان یضرب	کے لئے

لہ خطیب نے روزے مالک میں جن لوگوں کے نام تھے ہیں، ہم نے سیوطی کی تصحیح کے حوالہ سے ان کے اشاروں کے نام ذکر فرماتے ہیں

الناس اکباد الدبل فلو یجدون
احدا اعلم من عالم المدینة واللفظ
لترمذی قال الترمذی هذا حدیث
اونٹ ہنکائیں گے، لیکن مدینہ کے
عالم سے زیادہ بڑا عالم وہ کسی کو نہ
پائیں گے،
حسن

جغرافی و وسعت سے قطع نظر کر کے اکثر مستفیدین و تلامذہ کے حلقہ پرنظر کی
جائے تو ہماری حیرت میں متعدد وجوہ سے اضافہ ہو جاتا ہے کہ ایک شخصیت ایک یونیورسٹی کا
کام کیونکر انجام دیتی تھی۔

تلامذہ و مستفیدین

اس حلقہ درس نے کس قسم کے اشخاص پیدا کئے؟ اور اس فیض عام کا اثر کہاں تک
پھیلا؟ اس کا جواب امام کے مسترشدین و مستفیدین و تلامذہ کی فہرست سے ظاہر ہوگا،
محدث ذی ہبی لکھتے ہیں۔ وحداثۃ عنہ اصول ایکادون یحصون امام مالک سے اتنے
لوگوں نے روایت کی ہے کہ جن کا شمار تقریباً ناممکن ہے، تلامذہ میں وہ لوگ بھی داخل ہیں
جو اور علما کی مجلس سے فضل و کمال کی سند حاصل کر چکے تھے، بلکہ خود امام کے شیوخ
بھی امام کے احسانِ علمی کے بار سے سبکدوش نہ تھے، خود امام مالک فرماتے تھے کہ ”بہت
کم ایسے لوگ ہیں جن سے میں نے سیکھا ہے، اور آخر ان کو خود مجھ سے پوچھنے کی حاجت
نہ پڑی تھی“

تلامذہ کی خصوصیات: امام کو اپنے تلامذہ و مستفیدین کی حیثیت سے بھی
متعدد خصوصیات حاصل ہیں، جس کثرت جس رتبہ اور
جس طبقہ کے لوگ امام کے حلقہ فیض میں داخل ہیں، تمام محدثین و فقہاء میں کسی کو نصیب

نہ تذکرہ ذہبی ج ۱ ص ۱۸۷ حیدر آباد دکن نے تقریب التہذیب مالک بن انس، تہ تزئین الممالک
تقلا عن فضائل مالک لابن محمد الزہرانی ص ۴۰،

ہیں، وذلک فضل اللہ یوقیہ من یشاء واللہ ذو فضل عظیم،

کثرت عدد: ۱۔ کثرتِ تعداد کے لحاظ سے امام مالک کے مستفیدین تلامذہ

کی تعداد ۳۳۰ سے زیادہ ہے ہم کو معلوم ہے کہ امام بخاری کے شاگرد فربری کی روایت کے مطابق بخاری کے شاگردوں کی تعداد ۹۰۰۰ ہے لیکن اگر عوام و خواص کی کثرت و قلت کوئی قابلِ امتیاز شے ہے، تو نوے ہزار عام انسانوں کی بھڑان تیرہ سو منتخب روزگار کا مقابلہ نہیں کر سکتی، جن میں پاستھانے چند (۳۵) ہاں ہر ایک اس فن کا نکتہ دان اور بلند پایہ محدث ہے، اور یہ کون نہیں جانتا کہ

یکے مرد جنگی بہ از صد ہزار

شہرت و معرفت: ۲۔ امام بخاری کے نوے ہزار عام رواۃ کے حالات ہر ایک تعداد مخصوص (شاید) ۱۰ یا ۱۵، مجہول

و مستور اور نام بنام غیر معلوم ہیں، لیکن امام مالک کے رواۃ و تلامذہ نام بنام ایک ایک حالاً و خبراً و جرحاً و تعدیلاً معلوم و مشہور ہیں، ابوبکر خطیب بغدادی، ابن بشکوال اندلسی قاضی عیاض، شمس الدین دمشقی، حافظ سیوطی نے ایک ایک کو گن دیا ہے، ان کو عددِ او ترتیباً بترتیب ہجرا سائل میں جمع کر دیا ہے، فستان بدینہما،

۳۔ عموماً عام محدثین کے تلامذہ کی جغرافی حیثیت اس قدر وسیع نہیں جس قدر امام مالک کی، ہم اس سے پہلے باب میں بہ تفصیل ایک ایک ملک و شہر کا نام لکھ چکے ہیں، امام ابو حنیفہ کے تلامذہ تمام عجم و عرب میں پھیلے تھے، لیکن افریقہ و اندلس اُن سے بے نیاز رہا۔ امام اوزاعی کا علم اندلس میں پھیلا، لیکن ممالک عجم ان سے مستفید نہ ہوئے، لیکن امام مالک کے علم و معارف نے دنیا کے اسلام کے ایک گوشہ کو بھی اپنی غلامی سے آزاد نہ چھوڑا۔

دردِ حرم کیست کہ آزاد بماند است

فضل و کمال: ۴۔ لیکن ہمارے نزدیک تلامذہ کی کثرت اور جغرافی وسعت

اس قدر مایہ فخر نہیں ہے، جس قدر ان کا علوئے رتبہ رفعت کمال اور کثرت فضل امام مالک اپنے ہمسر میں جس قدر اس حیثیت خاص میں ممتاز ہیں، اس کو محض عطیہ الہی سمجھنا چاہیے، جو صرف عالم مدینہ کے لئے مقدر تھا۔ امام المحدثین زہری شیخ مالک، امام صادق جعفر بن محمد شیخ مالک، امام الحدیث یحییٰ ابن سعید انصاری تابعی شیخ مالک امام القراء نافع بن ابی نعیم شیخ مالک، ہشام بن عروہ فقیہ مدینہ، امام ابو حنیفہ، امام شافعی ناقد الحدیث یحییٰ بن سعید القطان، سفیان ثوری امام کوفہ اوزاعی فقیہ کوفہ، امام محمد قاضی ابویوسف، وکیع بن الجراح، ابن ابی ذہب فقیہ مدینہ، عبد اللہ بن دینار تابعی شیخ مالک، سفیان بن عیینہ امام الحدیث عبد اللہ بن مبارک امام خراسان، عبد الرحمن ابن القاسم فقیہ مصر، لیث بن سعد امام مصر، سلیمان بن عیسیٰ شیخ الحدیث، ایوب سختیانی، شیخ مالک، زہری بن بکار امام الحدیث، حجتہ الحدیث شعبہ بن الحجاج، امام السیر موسیٰ بن عقبہ شیخ مالک ناقد الحدیث، عبد الرحمن بن مہدی، امام الحدیث ابن جریر وغیرہم، آئمہ کبار و ارباب فن امام مالک کے حلقہ مستفیدین و تلامذہ میں داخل ہیں۔ حالانکہ ان میں سے ہر ایک اپنی اپنی تعلیم کا مستقل فرمانروا ہے،

۵۔ لیکن اس سے بھی زیادہ ایک عجیب شے یہ ہے

تنوع طبقات : کہ امام کا حلقہ افادہ اتنے مختلف الانواع طبقوں کو مشتمل ہے کہ حیرت ہوتی ہے کہ یہ مختلف سمت و جہت کے خطوط کیونکر ایک ہی مرکز کی طرف رجوع ہوئے۔

خلفائے اسلام

ابو جعفر منصور، مہدی، موسیٰ، ہادی، ہارون رشید، محمد امین، عبد اللہ مأمون

۱۔ رواد مالک الخطیب البغدادی ابن مساکر مسند امام ابو حنیفہ لابن خضو، وارظنی کتاب الذبائح، بدر اللہ بن کرشی فی المنکح علی بن الصلاح، مسند ابو حنیفہ لابن الضیاء الکمال الاکمال قلمی کتبناہ باکی پور فی حدیث نمبر ۴۲، شرح زرقانی ج ۱۔ ص ۳ مصر، تترتیب الممالک سید علی، ص ۸، محلی شرح موطا مولانا عبد السلام حنفی قلمی مقدمہ ان تمام کتابوں میں امام ابو حنیفہؒ کے استفادہ کا ذکر ہے۔

امراءِ بلاد

حسن بن مہلب شیبانی امیر خراسان، عبداللہ بن سعید بن عبدالملک بن مروان اموی
ہاشم بن عبداللہ التجی امیر برقہ (افریقہ)

تابعین و شیوخِ امام

ابن شہاب زہری یحییٰ بن سعید انصاری، محمد بن عبدالرحمان ابوالاسود، شعبہ
نافع القاری، جعفر صادق، ہشام بن عروہ، ربیعہ رائی، ابوسہیل نافع، سفیان ثوری،
حماد ایوب سختیانی، محمد بن مطرف ابوفسان، عبداللہ بن دینار زبیدی بن عبداللہ، وغیرہم۔

ائمہ محدثین

محمد بن عجلان، حیوۃ بن شریح، سلام الیتمی، یحییٰ بن سعید القطان، یحییٰ بن بکیر،
یحییٰ مضموی، زید بن اسلم، وہیب بن خالد، ابن ابی ذئب، وکیع بن جراح، ولید بن
مسلم الدمشقی، خالد امام خراسان، مسلم بن خالد الزنجی، سلیمان اعلمش، زبیر بن بکار، ابراہیم
امام مصیصر، عبداللہ بن مسلمہ قفبی، ابن لہیعہ، عبدالرحمان بن مہدی، عبدالعزیز بن محمد
الدراروی، ابو نعیم فضل بن دکین، عبدالملک ابن جریر، عبدالرزاق بن ہمام، لیث بن
سعد، شیخ الاسلام محمد بن مبارک، یحییٰ بن حمیل محدث انطاکیہ، قتیبہ بن سعید محدث خراسان
حافظ الحدیث ابو محمد زہرائی، سلیمان بن داؤد طرابلسی، معن بن عیسیٰ، ابو مصعب زبیری،
ابو حذافہ سہمی، وغیرہم۔

ائمہ مجتہدین

امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام محمد، امام ابی یوسف، امام ابن قاسم مالکی

فقہاء

حسن بن زیاد لؤلؤی صاحب ابی حنیفہ، عبداللہ بن وہب مفتی مصر، ابو عمر،
اشہب فقیہ مصر، اسد بن فرات فقیہ افریقہ

قضاۃ

ابراہیم بن اسحاق قاضی مصر، ایوب بن سوید قاضی سرو، اسد بن عمر قاضی،
احرم بن حوشب قاضی ہمدان، داؤد بن منصور قاضی مصیصر، شریک بن عبداللہ قاضی،
شجرہ بن عیسیٰ قاضی قیروان (الفریقہ) عبداللہ بن عمرو بن غانم قاضی افریقہ، یحییٰ قاضی
افریقہ، یحییٰ بن بکیر قاضی کرمان، ابن اثیر سمرقانی قاضی طرسوس، محمد بن عبداللہ
الکنانی قاضی افریقہ، اسد بن فرات قاضی سسلی (اٹلی)، زیاد بن بسیط قاضی طلیطلہ
(اسپین)، محمد بن سعید قاضی باجہ (اسپین)

زہاد و صوفیائے کرام

ابراہیم بن ادم، ابو نصر بشتہ بن خارش الزاہد، ثابت بن محمد الزاہد الکوفی، حسن
بن حسین بن عطیہ الصوفی، ذوالنون مصری، کاترج بن رحمہ زاہد، محمد بن فضیل بن عیاض
زاہد،

ادباء و شعراء

ابوالعتاہرہ شاعر، وکیل شاعر، محمد بن عبدالملک القعنبی شاعر، عبدالملک
اصمعی لغوی، عمر بن سہل المازنی البصری نحوی،

مؤرخین

احمد بن محمد بن ولید الازرقی صاحب تاریخ مکہ، موسیٰ بن عقبہ صاحب سیرت نبویؐ، محمد بن عمر الواقدی صاحب تصانیف کثیرہ، علی بن محمد دانی صاحب انساب و تصانیف کثیرہ۔

مفسر

مقاتل بن سلیمان صاحب التفسیر

فلسفی

احمد بن محمد صاحب بیت الحکمہ بغداد،

اس عہد کے بعد کے تمام محدثین کبار بلا استثناء امام مالک کے بیک واسطہ بدو واسطہ، امام کے تلمذ سے مشرف ہیں، امام احمد بن حنبل، امام بخاری، امام مسلم امام ترمذی، ابو داؤد نسائی مساند و صحاح کے یہ تمام مصنفین صرف ایک واسطہ سے امام کے حلقہ بگوشوں میں شامل ہیں۔ اور اس پران کو ناز و فخر ہے، یہ ناز و فخر آٹھویں صدی تک باقی ہے، جب کہ محدث کبیر شمس الدین ذہبی فخریہ لکھتے ہیں کہ میں سات واسطوں سے امام کا شاگرد ہوں، امام نووی کو بھی ساتویں صدی میں امام سے قرب نسبت پر ناز ہے۔ مقدمہ شرح مسلم میں اپنے استاد کے حال میں لکھتے ہیں،

قد وقع لنا اعلیٰ من هذه الكتب وان كانت عالية موطا الامام مالک بن انس وهو شيخ الشيوخ المذکورین کلهم
ایک کتاب کی سند مجھ کو کتب بخاری مسلم ترمذی ابو داؤد نسائی سب کے بہتر ملی اور وہ امام مالک کی موطا ہے جو ان تمام محدثین کے شیخ تھے۔

اگر بڑوں کے ساتھ چھوٹوں کا نام لینا سو ادب نہ ہو تو اس ذرہ بے مقدار کو بھی اس آفتاب کمال سے ایک قرب کی نسبت حاصل ہے، وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ،

فقہ و فتویٰ

فقہ و محدث کا فرق: ایک مفتی اور فقیہ کا فرض ایک محدث سے زیادہ ہے، محدث صرف ایک سرمایہ دار ہے، فقیہ اس سرمایہ کو لے کر عالم کار و بار میں آتا ہے، کھرے کھوٹے کی تمیز، احکام کی تفریح، عموم کی تخصیص، خصوص کی تعمیم، مطلق کی تقیید، متقید کا اطلاق، ناسخ و منسوخ کی تفریق، اوامر و سنن کی ترتیب، احکام غیر منصوصہ کا قیاس، احکام کے علل و مصالح کی تلاش، ضروریات انسانی کے مطابق احکام شرعیہ کا اعلان، رعایا و حکومت کے لئے قوانین کی تدوین، یہ ایک فقیہ و مفتی کے عام فرائض ہیں، جو ایک محدث محض کے رتبہ سے بلند تر ہیں۔

عہد نبوی: حیات نبوی میں مسلمانوں کی تعداد کم و بیش ۶۰ ہزار سے ایک لاکھ تک تھی، ان میں سے ۳۰ ہزار خاص مدینہ میں متوطن تھے، اور باقی ادھر ادھر، بحرین و یمن، مکہ و طائف وغیرہ بلاد عرب میں پھیلے تھے۔

اصحاب صفہ: مدینہ سے باہر دوسرے شہروں اور قبیلوں کے لئے یا فقہائے صحابہ جن کا اس زمانہ میں قرآن نام تھا جو اکثر اصحاب صفہ ہوتے تھے، نیچے جاتے تھے، یا ان میں سے ایک دو کو چند روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صحبت میں رکھ کر، احکام و سنن کی تعلیم دے کر ان کو ان کے شہر و قبیلہ میں واپس فرما دیتے تھے، مدینہ کے اندر خود شارع علیہ السلام کا وجود اقدس کا رہنا تھا۔ خود عہد نبوت میں ۳۰ ہزار صحابہ مدینہ میں سے ۱۰۰ آدمی مسجد مدینہ کے صفہ (چبوترہ) پر شب و روز طلب علم

میں مصروف تھے۔ آنحضرت صلعم کے بعد ۲۲۔۲۵ برس مدینہ تمام دنیا سے اسلام کا مرکز رہا ہر قسم کے احکام و فتاویٰ کا فیصلہ یہیں ہوتا تھا۔ تمام اکابر صحابہ یہیں تشریف فرما رہے۔

فقیر ترین صحابہ جن کے فقہ و فتاویٰ و احکام اگر الگ الگ ترتیب دیئے جائیں، تو ایک ایک مستقل جلد تیار ہو جائے ہر شخص تھے، عمر بن الخطابؓ، علی بن ابی طالبؓ، عبداللہ ابن مسعودؓ، ام المومنین عائشہؓ، زید بن ثابتؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ ان کے بعد وہ اشخاص ہیں جن کے فتاویٰ و احکام و قضایا ایک طبقہ ثانیہ: ایک رسالہ کے بقدر ہیں، اس جماعت میں تقریباً ۲۰ اشخاص ہیں، ابوبکر صدیقؓ، ام المومنین ام سلمہؓ، انس بن مالکؓ، ابوسعید خدریؓ، ابوہریرہؓ، عثمان بن عفانؓ، عبداللہ بن عمرؓ وہی العاصؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، ابوسلمیٰ اشجریؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، سلمان فارسیؓ، جابر بن عبداللہؓ، معاذ بن جبلؓ، طلحہؓ، زبیر بن العوامؓ، عبدالرحمان بن عوفؓ، عمران بن حصینؓ، ابوبکرؓ، عبادہ بن صامتؓ، معاویہ بن ابی سفیانؓ،

طبقہ ثالثہ: تیسرا طبقہ ان صحابہ کا ہے جن کے مجموعی قضایا و فتاویٰ صرف ایک مختصر رسالہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان میں عام صحابہ داخل ہیں۔

صحابہ مدینہ و غیر مدینہ: حضرت علیؓ نے ۴ برس اپنے خلافت کے کوفہ میں صحابہ مدینہ و غیر مدینہ: بسر کئے، ان کے ساتھ سلمان فارسیؓ بھی تھے، اسی طرح فتنہ کے بعد حضرت انسؓ اور ابن مسعودؓ بھی آخر عمر میں کوفہ چلے گئے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت علیؓ کے عہد میں بصرہ کے والی ہوئے، حضرت ابن زبیرؓ کی خلافت کے زمانہ میں مکہ و طائف میں رہے عبداللہ بن عمرؓ وہی العاصؓ اخیر زمانہ میں مصر میں رہتے تھے، امیر معاویہؓ تمام تر شام میں رہے، ان کے علاوہ یہ تمام بزرگوار جن کے نام آئے اوپر پہلے اور دوسرے طبقہ میں گنائے ہیں۔ انہوں نے مدینہ الرسولؐ ملے یہ تفصیل مقدمہ اعلام المتوہین ابن خرم اندلسی میں ہے۔ ص ۱۳ مصر۔

ہی میں اپنی تمام عمر بسر کی،

فقہائے تابعین مدینہ: میں محدثین توسینکڑوں ہیں، جن میں سے اکثر کے صحابہ کے دور کے بعد تابعین کا طبقہ ہے، تابعین نام شیوخ مالک کی فہرست میں گذرے، لیکن فقہاء میں مشہور ترین اشخاص خارج بن زید بن ثابت، سالم بن عبد اللہ بن عمر بن خطاب، قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ، عروہ بن رضی اللہ عنہ، عبید اللہ بن عتبہ، ابوبکر بن حارث، سلیمان بن رضی اللہ عنہ، ابوبکر بن رضی اللہ عنہ، ابو بکر بن عبد الرحمن، ابو بکر بن عمرو،

مجلس فقہ مدینہ: کا مدینہ میں بیک وقت اجتماع تھا۔ ہر قسم کے قضیے، احکام اور فتوے انہی بزرگوں کی مخصوص مجلس میں طے پاتے تھے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز خلیفہ عمر بن عبد العزیز، سعید بن مسیب ہیں، ان بزرگوں جب مدینہ کے والی مقرر ہوئے تو انہوں نے اس مجلس کو اور باقاعدہ کر دیا، عروہ بن زید، عبید اللہ بن عتبہ، ابوبکر بن عبد الرحمن، ابوبکر بن سلیمان، سلیمان بن یسار، قاسم بن محمد، سالم بن عبد اللہ کو بلا کر اپنی مجلس کے ارکان شوریٰ مقرر کئے۔ تمام احکام و مقدمات ان مجلوں کی بحث و مذاکرہ کے بعد طے ہوتے تھے، اور وہ مدینہ کی عدالت کا حکم فقہی تسلیم ہوتا تھا جس میں زیادہ مدد حضرت عمرؓ کے قضایا و احکام سے لی جاتی تھی کہ ان کے عہد حکومت میں وسعت فتوحات نے بہت سی نئی ضرورتیں پیدا کر دی تھیں، حضرت عمرؓ ان کا فیصلہ فقہائے صحابہ کی مجلس شوریٰ میں کرتے تھے اس بنا پر مدینہ کی فقہ کا بڑا حصہ امام مالک سے پہلے خود حضرت عمرؓ کے زیر ریاست صحابہ کی مجلس میں، اور ان کے نواسہ عمر بن عبد العزیز کی زیر صدارت تابعین کی مجلس میں مرتب ہو چکا تھا،

فقہ مالک: امام مالک کے فقہ و فتاویٰ کی بنیاد اسی فقہ مدینہ پر ہے۔
شاہ ولی اللہ صاحب نے مسوئی کے مقدمہ میں لکھا ہے ”امام

مالک بنائے فقہ راہر حدیث آنحضرت صلعم نہادہ است، کہ مسند باشد یا مرسل ثقاہ بعد از ان بر فضائے عمر، و بعد از ان بر فتوائے ابن عمر و بعد از ان بر فتاوائے سائر صحابہ و فقہائے مدینہ، سعید بن مسیب و عمرو بن زبیر، قاسم و سالم، و سیمان بن سيار، و ابو سلمہ و ابوبکر بن عبدالرحمان و ابوبکر بن عمرو بن عبدالعزیز، موطا کے طرز استدلال اور احادیث و آثار کا جس نے بغور و وقت مطالعہ کیا ہے، وہ یقیناً اس کی تائید کرے گا کہ امام مالک کی فقہ و فتاویٰ کی یہی بنیاد و اصول ہیں اور انہی اصول پر امام مالک کی فقہ و فتاویٰ کی یہی بنیاد و اصول ہیں، اور انہی اصول پر امام مالک فتاویٰ نے فقہیہ کا جواب دیتے تھے۔ امام مالک کے فضل و کمال کا تمام شیوخ مدینہ کو اعتراف تھا، تاہم امام مالک نے اس قدر احتیاط کی کہ جب تک شرعاً عظماء نے امام صاحب کی قابلیت و استحقاق کا فتویٰ نہ دیا، امام صاحب نے اس مرتبہ عالی پر قدم رکھنے کی ہمت نہ کی، عادت مبارک ہمیشہ یہ جاری رہی کہ جب کسی فتوے کا جواب ارشاد فرماتے تو پہلے مَا شَاءَ اللہ وَاَحْوَلُ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللہ کہتے۔

حکومت کا اعلان: نہ صرف مدینہ و حجاز بلکہ اطراف ملک سے سائیکس کا ارادہام رہتا تھا، موسم حج جب کہ تمام دنیائے اسلام کو ایک عرصہ عرفات میں جمع کر دیتا تھا۔ اور تمام علمائے دین کو قوفہ، بصرہ، خراسان وغیرہ سے سمٹ سمٹ کر ایک حرم مکہ میں جمع ہو جاتے تھے تو حکومت کی طرف سے اعلان ہوتا تھا کہ امام مالک اور ابن ابی ذہب کے سوا اور کوئی فتویٰ نہ دے۔

حکومت کے مقابلہ میں آزادی فتویٰ، طلاق مکرہ: حکومت کی اس تعظیم و تکریم کا نتیجہ شاید دوسروں پر

لے ترمین الممالک عن ابن نعیم ص ۸۰ کہ ابن خلکان ترجمہ مالک تلہ اس مسئلہ کے متعلق بھی لپٹے

یہ ہوتا کہ وہ کم از کم مختلف فیہ مسائل میں اپنی رائے کے خلاف، حکومت کے مشورہ کی تعمیل کرتے، لیکن امام صاحب اپنی حریت رائے اور اعلان حق میں اس کی پرواہ نہیں کرتے تھے، اگر کوئی شخص زبردستی مجبور کیا جائے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دیدے اور اس نے ڈر کر زجر و اکراہ دیدی تو امام ابو حنیفہ اور بعض دیگر ائمہ کے نزدیک طلاق واقع ہو جائیگی لیکن امام مالک اور اکثر اصحاب حدیث اس کے قائل ہیں کہ طلاق واقع نہ ہوگی، والی مدینہ جعفر بن سلیمان عباسی جو خلیفہ منصور کا چچا زاد بھائی تھا۔ اس نے امام کو حکم دیا کہ وہ فتویٰ نہ دیں، لیکن امام صاحب نے علی الاعلان اپنی رائے کا اظہار کیا اور آخر اس کے لئے کوڑوں کی سزا تک گوارا کی،

لا ادری: یہ اعلان حق اور حریت رائے تو حکومت کے مقابلے میں ہے، لیکن اس سے بھی زیادہ شدید موقع اعلان حق کا اپنے نفس کے مقابلے

بقیہ ۴۹ سے۔ زمانہ طالب علمی کا ایک مناظرہ یاد آگیا، ہمارے استاذ فقہ مولانا مفتی عبداللطیف صاحب مدرس اول دارالعلوم و تلمیذ رشید مولانا لطف اللہ صاحب اطال اللہ بقا، ہمیں جناب مفتی صاحب کو فقہ حنفی کی صحت کلی میں نہایت شدت کے ساتھ غلو ہے اور جس سے میں بدعہ طہولیت سے محروم ہوں، طلاق مکروہ کے مسئلہ میں ہماری جماعت میں اختلاف ہوا۔ میرے سوا تمام طلبہ وقوع کے قائل تھے، میں حضرت عائشہ کی حدیث لا طلاق ولا عتاق فی اخلاق و حالات جبر و اکراہ میں طلاق و عتاق نہیں (پیش کرتا تھا اور ان کی طرف سے ثلث جملہ حسن و ہزل لہن سواء (تین چیزوں میں اظہار و اقعیت اور مذاق و دونوں برابر ہیں، طلاق ...) کی حدیث پیش کی جاتی تھی۔ میں کہتا تھا کہ طلاق مکروہ جبر و اقعیت ہے نہ ہزل (مذاق) "ہزل" تو متفقاً نہیں ہے، اس لئے نہیں کہ "جبر" نام ہے۔ خواہش حقیقی و واقعی کے اظہار کا جو حالات اکراہ غیر ممکن ہے۔ بالآخر یہ معاملہ جناب مفتی صاحب کی خدمت میں پیش کیا گیا، مفتی صاحب نے استدلال عقلی کے طور پر فرمایا کہ زبان سے لفظ طلاق ادا کرنا انسان کا ایک فعل ہے، اور افعال کا اثر قناعت نیت و ارادہ و اظہار و اقعیت و غیر واقعیت نہیں ہے۔ مثلاً اگر کسی کو تم ایک طمانچہ مارو جو تمہارے ہاتھ کا ایک فعل ہے تو اس کا اثر یعنی چوٹ اور صدمہ محسوس واقع ہوگا۔ خواہ مارنے کے لئے تمہارا ارادہ و خواہش واقعی ہو یا نہ ہو، اسی طرح لفظ طلاق کے نطق کا جراثیم ہے وہ ہر حال میں واقع ہوگا۔ اس استدلال کو سن کر میں تھوڑی دیر کے

میں ہے، منقہ کے لئے جس قدر پہلی قسم کی حریت کی حاجت ہے اس سے زیادہ دوسری قسم کی حریت کی ضرورت ہے، لیکن امام صاحب جس طرح پہلی منزل میں مستقیم تھے، دوسری منزل میں بھی درماندہ نہ تھے، امام صاحب جب کوئی فتویٰ پوچھا جاتا اور اس وقت اس جزئیہ پر اطلاع نہ ہوتی تو نہایت متانت و کشادہ پیشانی کے ساتھ فرماتے تھے کہ لاادری، میں نہیں جانتا، امام کے شاگرد ابن وہب کہتے ہیں کہ اگر میں امام مالک کی لاادری لکھا کرتا تو کتنی تختیاں بھر جاتیں لے

اکثر دور کے شہروں سے

ممالک بعیدہ کے استفتائے سے احتراز جو مستفتی آتے تھے امام

صاحب حتیٰ الوسع ان کو جواب دینے سے احتراز کرتے، ابن عبد اللہ کی روایت ہے کہ ایک شخص نہایت دور دراز مسافت سے امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اس نے ایک مسئلہ پوچھا، امام صاحب نے فرمایا کہ ”میں اس کو اچھی طرح نہیں جانتا“ سائل نے کہا کہ ”میں چھ مہینہ کی راہ طے کر کے صرف اس مسئلہ کی خاطر حاضر ہوا ہوں، جن لوگوں نے مجھ کو بھیجا ہے، میں ان کو جا کر کیا جواب دوں گا؟“ امام صاحب نے فرمایا کہ کہدینا کہ مالک نے کہا کہ میں نہیں جواب دے سکتا، اسی قسم کا ایک واقعہ ابو نعیم نے حلیہ میں بیان کیا ہے، کہ ایک شخص نے فتویٰ پوچھا،

بقیہ حاشیہ مذہ لئے خاموش ہو گیا لیکن پھر علی الفور خدا نے مجھے ایک حجت افکار دی میں نے عرض کیا کہ افعال کے آثار دو قسم کے ہیں، اعتباری و واقعی، واقعی وہ جو ہماری تسلیم و اعتبار پر موقوف نہ ہو، بلکہ وہ حقیقتاً بلا اعتبار معتبر ہو مثلاً ضرب کے لئے احساس صدر دوسرا صرف اعتباری، اگر اعتبار کیجئے تو اثر ہے، اور نہ اعتبار کیجئے تو اثر نہیں ہے مثلاً ایک عجنون کی لفظ طلاق کے ساتھ حرکت زبان، اگر شرع اعتبار کرے تو طلاق ہے نہ اعتبار کرے تو طلاق نہیں ہے۔ اس لئے بجائے استدلال عقلی کے صرف یہ ثابت کرنا چاہیے کہ مکرہ کے اس فعل کے اس اثر کو شریعت اعتبار کرتی ہے یا نہیں، اور اس کا فیصلہ حدیث عائشہ نے کر دیا کہ نہیں کرتی، ۱۲

تو آپ نے جواب دیا کہ ”میں اچھی طرح نہیں بتا سکتا“ اس نے کہا کہ ”میں اتنے دور دراز راستہ سے اسی لئے آیا ہوں“ امام صاحب نے فرمایا کہ ”جب اپنے گھر پہنچو تو کہہ دینا کہ“ مالک کہتے ہیں کہ میں اچھی طرح نہیں بتا سکتا“

ایک اور واقعہ ابو نعیم نے امام کے شاگرد و عبد الرحمان بن مہدی کی زبانی نقل کیا ہے کہ ایک شخص چند روز تک ایک فتویٰ کے جواب کے لئے حاضر خدمت ہوا، ایک دن اس نے عرض کیا کہ میں کل یہاں سے چلا جاؤں گا جو کچھ جواب ہوا شافریائے یہ سکر آپ نے سر جھکایا، تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھا کر فرمایا کہ میں اسی مسئلہ کا جواب دیتا ہوں جس میں کچھ بہتری جانتا ہوں، تمہارے اس مسئلہ کو میں اچھی طرح نہیں جانتا۔

امام صاحب کا یہ احتراز درحقیقت شدت تقویٰ اور ایک نہایت، دقیق، خلعت پر مبنی تھا۔ منفی کی حالت یہ ہے کہ آج وہ ایک مسئلہ کی نسبت ایک راستے بھٹتا ہے، دوسرے دن اس سے صحیح تر صورت اس کے خیال میں آتی ہے، ایسے موقع پر شہر اور اس کے قرب و جوار میں مستفی کو اپنی غلطی سے اطلاع دے سکتا ہے لیکن اس زمانہ میں جب وسائل سفر و خبر آسان نہ تھے، مالک بعیدہ میں تصحیح و تغلیط کی اطلاع مشکل تھی۔ اماں صاحب کے ایک مصری دوست نے حیرت سے امام صاحب سے پوچھا کہ آپ ان بے چاروں کو جو کوسوں سے مصائب سفر و مصارف راہ برداشت کر کے آتے ہیں، کیوں واپس کر دیتے ہیں، امام صاحب نے جواب دیا کہ مصری مصر سے، شامی شام سے، عراقی عراق سے آتے ہیں۔ اور پوچھتے ہیں، شاید جو جواب میں نے آج دیا ہے اس کی بجائے کل کچھ اور جواب معلوم ہو“ حضرت لیث مصری نے جب امام کا یہ قول سنا تو رو پڑے کہ مالک لیث سے قومی تر ہے، اور لیث ان سے کمزور تر۔

فتوؤں کے جواب میں اکثر

راتے پوچھنے پر زجر رائے کا ظنی ہونا: یہ فرماتے تھے کہ قَالَ

رَسُولُ اللَّهِ كَذَا. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے، سائل نے کہا کہ آپ کی راتے

کیا ہے؟ آپ نے جواب میں یہ آیت پڑھی فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ

أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ، جب کسی مسئلہ قیاسی کو بیان

فرماتے تو پہلے یہ آیت پڑھ دیتے اِنْ نُّظَلُّوا اِلَّا ظُلُمًا وَّمَا نَحْنُ بِمُشْفِقِينَ

مسائل و فتاویٰ کا جواب ہمیشہ نہایت دقت

جواب میں کاوش و فکر: نظر اور کاوش فکر سے دیتے تھے ابن ابی اویس

کہتے ہیں کہ ایک بار امام صاحب نے فرمایا کہ کبھی کبھی ایسا مسئلہ پیش آجاتا ہے کہ

خواب و نور حرام ہو جاتا ہے، ابن ابی اویس نے کہا آپ کی بات تو لوگوں کو نقش فی الحجر

کی طرح تسلیم ہوتی ہے۔ پھر آپ یہ کیوں مشقت برداشت کرتے ہیں، امام کس نکتہ

سنجی کے ساتھ جواب دیتے ہیں کہ ابن ابی اویس اس حال میں توجہ کو اور بھی کاوش

کرنی چاہیے۔

اگر کسی مسئلہ میں غلطی ہوتی اور کوئی اصلاح کر دیتا تو

انصاف پسندی: فوراً تسلیم کر لیتے تھے۔ ایک شخص نے پوچھا کیا وضو میں

پاؤں کی انگلیوں میں تخلیل کرنی چاہیے؟ امام نے فرمایا لَيْسَ ذَٰلِكَ عَلَى النَّاسِ اِنْ

وہب امام کے شاگرد بیٹھے تھے، مجلس کے بعد انہوں نے کہا کہ تخلیل کی حدیث ایک

میرے پاس ہے، امام نے سن کر کہا کہ حدیث حسنہ اور اس کے بعد پھر ہمیشہ

فتویٰ اس کے موافق دیا۔

امام مالک تقریباً ۶۰ برس متصل فقہ و فتاویٰ میں مصروف رہے، امام کے تلامذہ

لے ترمذی، المالک عن ابی نعیم ص ۱۴ لے مناقب مالک للزاوی ص ۳۹ عن سعید بن سلیمان لے الزاوی

عن عبد الرحمن بن عبد العزیز ص ۳۱ لے الزاوی عن ابی وہب ص ۱۳۷،

نے امام کے مسائل فقہیہ و فتاویٰ کو مدون بھی کیا ہے، سب سے پہلی کتاب اسد بن الفرات قاضی افریقہ کی ”اسدیہ“ ہے اور سب سے ضخیم کتاب ابن قاسم المتوفی ۱۹۱ھ کی ”المدونۃ“ ہے جو خود امام کی زندگی میں مدون ہو رہی تھی، مدونہ مصر میں اب چھپ گئی ہے، تیسری کتاب ابن وہب مصری المتوفی ۱۹۶ھ کی کتاب المجالسات عن مالک ہے، ان کتابوں میں امام کے ہزاروں فتاویٰ مدون ہیں، ابن قاسم مصنف مدونہ کی نسبت مشہور ہے کہ ان کو امام کے ہم ہزار مسائل زبانی یاد تھے۔

اعتراف

دنیا میں ماہرین فن کا اعتراف اگر فضیلت کا کوئی معیار ہے تو کہا جاسکتا ہے۔ کہ اس معیار کی بنا پر امام مالک کا پایہ نہایت بلند ہے، امام مالک ارباب رائے میں داخل ہیں، محدثین نے ارباب رائے کا کم اعتراف کیا ہے، لیکن امام مالک باوجود انتساب رائے، محدثین میں وہی درجہ رکھتے ہیں جو صاحب فن اپنے اتباع اور مقلدین میں رکھتا ہے! یحییٰ بن معین جو حدیث و رجال کے ناقد ہیں کہتے ہیں ”مالک امیر المؤمنین فی الحدیث“ مالک اقلیم حدیث کے بادشاہ ہیں ”محدث کبیر سفیان بن عیینہ کہتے تھے: ”ہم لوگ مالک کے سامنے کیا چیز ہیں؟ ہم لوگ تو ان کے نقش قدم کی پیروی کرتے ہیں ورنہ چھوڑ دیتے ہیں۔“

عبد الرحمن بن ہمدی کا قول ہے کہ ”روئے زمین پر مالک سے بڑھ کر حدیث نبوی کا کوئی امانت دار نہیں“ امام شافعی فرمایا کرتے تھے، ”حدیث آئے تو مالک ستارہ ہیں“ محدث ابن ہشیک کا قول ہے کہ صحت حدیث میں میں مالک پر کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا، امام ابن حنبل سے ایک شخص نے پوچھا کہ ”اگر کسی کی حدیث وہ زبانی یاد کرنی چاہے تو کس کی کرے؟“ جواب دیا کہ مالک بن انس کی، ابن ہمدی جو نہایت

مشہور محدث ہیں ان سے ایک شخص نے کہا کہ ”میں نے سنا ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ مالک ابوحنیفہ سے زیادہ فقیہ ہیں“ انہوں نے فرمایا میں نے تو یہ نہیں کہا ”لیکن یہ کہتا ہوں کہ مالک ابوحنیفہ کے استاد (حماد) سے بھی زیادہ فقیہ ہیں“

سفیان بن عیینہ با ایں ہمہ علم و فضل، حلال و حرام، اور حدیث معمول کا املا امام مالک کے حلقہ میں بیٹھ کر سنتے تھے۔ اور وہاں سے اٹھ کر اپنے مستفیدین کے حلقہ میں بیٹھتے تھے، سفیان ثوری جو مجتہد مستقل ہیں وہ مناسک حج میں امام کی پیروی کرتے تھے، ابن معین جو نقد حدیث میں امام ہیں فرماتے ہیں کہ اصحاب زہری میں مالک سے بڑھ کر کوئی اثبت نہیں“ ابن معین کا دوسرا قول ہے۔ کان مالک من حج اللہ علی خلقہ یعنی ”مالک خدا کی طرف سے خلق پر ایک حجت تھے“ یحییٰ بن سعید القطان جو امام حدیث ہیں فرماتے ہیں کہ ”مالک اس امت کے لئے رحمت تھے“ ابن ابی حازم نے ناقد حدیث درآوردی سے پوچھا کہ ”اس خدائے کعبہ کی قسم! مالک سے بڑا کوئی عالم تم نے دیکھا؟“ جواب دیا کہ ”خدا یا نہیں“

عام حالات

اب ہم مجلس درس و افادہ سے اٹھ کر دربار خلافت امویہ کا اختتام شاہی میں آتے ہیں، امام صاحب ۲۸۹ھ میں پیدا ہوئے تھے، اور یہ وہ زمانہ تھا کہ ولید سریر آرائے خلافت و مشق تھا، لیکن پچیس برس بعد ۳۰۱ھ میں جب امام تعلیم سے فارغ ہو کر شہرت عام حاصل کر رہے تھے، تو خلافت امویہ و مشق کا دوم باز پسین تھا، یہ ہشام بن عبد الملک کا عہد اخیر تھا، ۳۲۵ھ میں اس نے وفات پائی، اس کے بعد ۳۲۵ برس کی مدت میں

ولید بن ولید، ابراہیم بن ولید، اور مروان بن محمد بن مروان چار بد قسمت بادشاہوں کے اور اقی حکومت جلد جلد الٹ گئے، تا آنکہ ۱۳۳ھ میں خلافت عباسیہ کے نام سے تاریخ کا نیا باب شروع ہوا،

خلافت عباسیہ کا پہلا تاجدار ابو العباس سفار ہے۔

خلافت عباسیہ : اس کا زمانہ خلافت ساڑھے چار برس ہے جو صرف عہد جدید کے انتظام و تدبیر اور خانہ جنگیوں میں صرف ہو گیا، اس کی خلافت کے اخیر سال ۱۳۶ھ میں اس کا بھائی ابو جعفر منصور سالار حجاج بن کر حجاز گیا، اور آخر اسی سفر مبارک کی واپسی میں مرثدہ خلافت اس کے گوش گزار ہوا، لیکن حقیقت میں ۱۳۸ھ تک یعنی جب تک ابو منصور خراسانی قتل نہ ہوا، وہ خلیفہ نہ تھا، ۱۳۹ھ میں بغداد تعمیر ہوا، اور بغداد کے سنگ بنیاد کے ساتھ عباسیہ کی حکومت کی بنیاد بھی اس نے ایک مضبوط چٹان پر قائم کی، ان کاموں سے فراغت پا کر ۱۴۰ھ میں حج و زیارت کے لئے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ آیا۔

خانوادہ خلافت عباسی جواب اور کمال پر تھا، چند سال پہلے صرف شرفائے قریش کا ایک گھرانہ تھا اس لئے منصور طلب علم، اساتذہ کی صحبت، علمی مجلسوں کی

۱۴۱ھ امام مالک اور خلیفہ منصور کے متعلق تاریخ و مناقب کی کتابوں میں بہت سے منتشر و پراگندہ اور متضاد الفاظ و عبارت کے واقعات مذکور ہیں جن میں باہم کوئی ترتیب ناکھی بھی نہیں ہم ان کو یہاں اجمال و تلخیص ذکر کرتے ہیں، اتنا معلوم ہے کہ یہ تمام واقعات موسم حج کے اجتماع میں پیش آتے تھے کتب تاریخ سے منصور کے سفر حج کی تاریخیں ثابت ہیں، ایک ۱۳۹ھ میں قبل خلافت اس کا تو شمار نہیں، خلافت کے بعد تین دفعہ اس نے سفر حج کئے ہیں پہلا ۱۴۰ھ میں دوسرا ۱۴۱ھ میں اور تیسرا ۱۴۸ھ میں، اسی تیسرے سفر حج میں حج سے پیشتر ۱۴۷ھ ذوالحجہ کو منصور نے انتقال کیا۔ (اخبار الطوال ابن حنیفہ دینوری المتوفی ۲۸۱ھ طبع مصر ص ۳۵-۳۶۴)

غالباً یہ تمام واقعات انہی موقعوں کے ہیں۔

نشست میں اسی طرح برابر کا شریک تھا جس طرح دیگر اشراف و سادات کے خاندانوں کے ہونہار بچے منصور اس انقلاب سے پہلے مدینہ کی درسگاہ کا ایک طالب العلم اور امام مالک کے طبقہ کا ایک شریک صحبت تھا۔

خلافت کے بعد منصور کے لئے حج کا یہ پہلا موقع تھا، شہر کے شرفا اور علما اس کے استقبال کے لئے نکلے، سفیان ثوری، سلیمان خواص اور امام مالک بھی ملنے کے لئے آئے کہ کل تک تو علم حدیث کی مجلسوں میں ہمارے ساتھ یہ برابر کا شریک تھا، دیکھیں اب وہ کس حال میں ہے۔ دربار میں حجاز کے تمام علماء اور فقہا موجود تھے منصور نے امام صاحب کی طرف روئے خطاب کر کے کہا: ”اے ابو عبد اللہ! (امام کی کنیت) میں اختلافات فقہی سے گھبرا گیا ہوں، عراق میں تو کچھ نہیں ہے، شام میں صرف جہاد کا شوق ہے، وہاں کوئی بڑا علم نہیں، جو کچھ ہے وہ حجاز میں ہے اور حجاز کے علماء کے سرخیل آپ ہیں، میں چاہتا ہوں کہ آپ کی اس تصنیف (موطا) کو خانہ کعبہ میں آویزاں کر دوں، کہ لوگ اسی کی طرف رجوع کریں، اور تمام اطراف مملکت میں اس کی نقلیں بھیجوں تاکہ اسی کے مطابق لوگ فتویٰ دیں۔ بعض روایتوں میں ہے کہ اس نے ایک ایسی کتاب کی تالیف کی خواہش ظاہر کی جو ابن عباسؓ اور ابن مسعودؓ و ابن عمرؓ کے اصول فقہ کے بین بین اور معتدل ہو۔ اس کے بعد امام صاحب نے موطا تالیف کی۔

امام کا انکار: بہر حال جاہ پسند علماء کے لئے یہ وہ طلائع موقع تھا کہ

جس سے زیادہ کوئی بیش قیمت ان کو کبھی نہیں مل سکتا تھا لیکن امام صاحب کے لئے یہ بھی لغزش قدم کا باعث نہ ہوا۔ انہوں نے فرمایا کہ ”صحابہ تمام اطراف ملک میں پھیل گئے تھے، ان کے فتاویٰ اور احکام اپنے اپنے مقام میں وراثتہً ان کے فقہاء اور علماء تک پہنچے ہیں، اور ہر جگہ وہی مقبول ہیں۔

ایسی حالت میں ایک شخص کی رائے و عقل پر جو صحت و غلطی دور کر سکتا ہے تمام ملک کو مجبور کرنا مناسب نہیں منصور نے کہا ”اگر آپ مجھ سے متفق ہوتے تو میں یہی کرتا“

ایک بار اس نے پوچھا کہ اے ابو عبد اللہ! تم سے بھی زیادہ کوئی عالم ہے؟ امام نے فرمایا ”ہاں“ پوچھا ”وہ کون ہے“ فرمایا ”ان کے نام یاد نہیں“ منصور نے کہا ”میں بنو امیہ کے زمانہ میں طالب علم رہ چکا ہوں، سب کو جانتا ہوں“

امام مالک کے فضل و کمال کا اعتراف منصور نے نہ صرف امام کے سامنے کیا بلکہ تیچھے بھی کرتا تھا، سفیان ثوری اور سلیمان خواص ایک بار منصور سے ملنے گئے، منصور نے خیمہ کے اندر بلایا۔ سفیان ثوری نے کہا کہ یہ فرش جب تک اٹھایا نہ جائے میں نہیں آسکتا، فرش اٹھ گیا تو آیت مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرٰی ”اسی خاک سے تم کو پیدا کیا، اور اسی خاک میں تم کو ملائیں گے، اور پھر اسی خاک سے تم کو اٹھائیں گے“ پڑھتے ہوئے زمین پر بیٹھ گئے، منصور آبدیدہ ہو گیا، سفیان ثوری دیر تک بالفاظ سخت نصیحت کرتے رہے۔ پھر اٹھ کر چلے آئے، بو عبید جو دربار کا ایک عہدہ دار تھا، اس نے کہا ”امیر اللومین ایسے زبان دراز شخص کے قتل کا حکم کیوں نہیں دیتے؟ منصور نے کہا ”خاموش! سفیان ثوری اور مالک بن انس کے سوا کوئی نہیں جس کا ادب کیا جاتے۔“

شاید یہ واقعہ تاریخی تم کو معلوم ہو کہ حضرت علیؓ کے بعد ہاشمیوں کے مقابلہ میں جب بنو امیہ نے نمایاں کامیابی حاصل کر لی، تو بنو ہاشم نے جن میں بنو عباس، بنو فاطمہ اور عام علویین داخل تھے۔ سب مل کر ایک خلافت ہاشمیہ کے قیام کی

لے تذکرۃ الحفاظ امام ذہبی ج ۱ ص ۸۹ کتاب النامہ ابن قتیبہ ج ۲ صفحہ ۲۷۱ مناقب مالک للزواوی ص ۱۱ باختلاف عبارت، لے مناقب الزواوی صفحہ ۲۴، ابن ابی حاتم۔

مخفی کوششوں میں مشغول ہو گئے، اولاً کوششوں کا مرکز امامت، خاندانِ فاطمی و علوی تھا، امام حسینؑ کے بعد محمد بن خنفیہ حضرت علیؑ کے غیر فاطمی صاحبزادہ امام ہوئے، ان کے بعد ابوہشام عبداللہ علوی، ابوہشام کا حمیمہ واقع شام میں انتقال ہو گیا، وہاں محمد بن علی بن عبداللہ بن عباسؑ کے سوا کوئی اور ہاشمی موجود نہ تھا، اس لئے ابوہشام نے اپنی جانشینی کی وصیت محمد عباسی کے حق میں کی، یہ پہلا دن ہے کہ خلافت کا دعوہ خاندانِ علوی سے منتقل ہو کر خاندانِ عباسی میں آتا ہے۔

محمد بن علی عباسی نے ۱۲۴ھ میں وفات پائی، اور ان کی جگہ ان کے بیٹے ابراہیم بن محمد عباسی امام تسلیم ہوئے، ابراہیم بن مروان اموی کے ہاتھ گرفتار ہو کر مر گئے یا مارے گئے، شیعہ عباسیوں نے اس غم میں سیاہ کپڑے پہنے اور اس وقت سے سیاہ رنگ عباسیوں کا نشان ہو گیا، ابراہیم کے بعد ابوالعباس سفاح بنو ہاشم کے سرخیل ہوئے۔ آخر ۱۳۲ھ میں اس کو کوششوں نے کامیاب کیا، سفاح نے کامیابی کے بعد حق خلافت بنو ہاشم میں سے صرف بنو عباس کے ساتھ مخصوص کر دیا۔

ایک طرف تو نئے تاجدار امویوں کے استیصال میں ان کی قبروں کی ہڈیاں تک اکھاڑ رہے تھے، اور اموی و مروانی چن چن کر جہاں ملتے تھے، مارے جارہے تھے، خراسان کی وحشی سپاہ صوبوں کی تسخیر اور بغاوتوں کے فرو کرنے میں جاویدجاہر قسم کے امور کا تمام ملک میں ارتکاب کر رہی تھی، دوسری طرف تخصیص خلافت سے فاطمیوں اور علویوں میں ناراضی پیدا ہوئی، نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کو قسمت کے ان نئے مالکوں سے جس امن و صلح و انصاف کی توقع تھی پوری نہ ہوتی تاہم سفاح تک عملاً کوئی ناراضی ظاہر نہ ہوئی، لیکن منصوبہ نے احتیاط یا سوءظن کی بنا پر فاطمی و علوی سادات کی بیخ کنی شروع کر دی، آخر تنگ آ کر انہی

سادات میں سے ۱۳۵ھ میں محمد نفس زکیہ نے مدینہ میں علم بغاوت بلند کر دیا اکثر لوگوں نے ان کا ساتھ دیا، لیکن تقدیر ساتھ نہ تھی، بڑی بہادری سے میدان جنگ میں جا کر مارے گئے، ان کے بعد ان کے بھائی ابراہیم اس سرو سامان سے نکلے کہ منصور بدحواس ہو گیا، چند مہینوں کے بعد ابراہیم کی شہادت پر جنگ کا خاتمہ ہو گیا، منصور نے اپنے عمزاد بھائی جعفر کو مدینہ کا والی مقرر کیا۔

امام مالک منصور کی ملاطفتوں کے باوجود ان تمام کوششوں میں حق کے ساتھ تھے۔ امام صاحب نے فتویٰ دیا کہ خلافت نفس زکیہ کا حق ہے، لوگوں نے پوچھا کہ ہم منصور کی بیعت پر حلف اٹھا چکے ہیں۔ امام صاحب نے فرمایا ”منصور نے جبراً بیعت لی ہے، اور جو کام جبراً کرایا جائے شرع میں اس کا اعتبار نہیں، حدیث ہے کہ اگر جبراً طلاق کسی سے دلائی جائے تو واقع نہ ہوگی۔“

طلاق مکروہ کا فتویٰ: جعفر نے مدینہ پہنچ کر نئے سرے سے لوگوں سے بیعت لی، امام مالک کو کہلا بھیجا کہ آئندہ

طلاق جبری (مکروہ) کے عدم اعتبار کا فتویٰ نہ دیں کہ لوگوں کو بیعت جبری کی بے اعتباری و عدم صحت کے لئے سند ہاتھ آئے، امام سے ترک حق کی توقع کس قدر بجا خواہش تھی! امام صاحب بدستور معاملہ جبری کے عدم صحت کا فتویٰ دیتے رہے، سلیمان نے غضبناک ہو کر حکم دیا کہ ان کو ستر کوڑے مارے جائیں، امام دارالہجرت کو محکمہ امارت میں گنہگاروں کی طرح لایا گیا، کپڑے اتارے گئے، اور شانہ امامت پر دست ظلم نے ستر کوڑے پورے کئے، تمام بیٹھ خون آلودہ ہو گئی۔ دونوں ہاتھ مونڈھے سے اتر گئے، اس پر بھی تسلی نہ ہوئی تو حکم دیا کہ اونٹ پر بٹھا کر شہر میں ان کی تشریف کی جائے، امام صاحب بایں حال زار

بازاروں اور گلیوں سے گزر رہے تھے، اور زبانِ صداقت نشانِ باواز بلند کہہ رہی تھی، جو مجھ کو جانتا ہے وہ جانتا ہے، جو نہیں جانتا ہے، وہ جان لے کہ میں مالک بن انس ہوں، فتویٰ دیتا ہوں کہ ”طلاق جبری درست نہیں“۔
اس کے بعد اسی طرح خون آلودہ کپڑوں کے ساتھ مسجد نبویؐ میں تشریف لائے، پشتِ مبارک سے خون صاف کیا اور دو رکعت نماز پڑھی اور لوگوں سے فرمایا کہ ”سعید بن مسیب کو جب کوڑے مارے گئے تھے تو انہوں نے بھی مسجد میں آکر نماز پڑھی تھی“ یہ تعزیر کو تحقیر کے لئے تھی، لیکن اس نے امام کی عزت و وقار کے پایہ کو اور بلند کر دیا، یہ واقعہ ۱۴۷ھ کا ہے۔

منصور کی لاعلمی اور ندامت : بقول ابن قتیبہ المتوفی ۳۸۰ھ (اگر وہ کتاب الامامة کا مصنف ہے) جعفر

والی مدینہ کی یہ حرکت منصور کو پسند نہ آئی، اور فوراً اس کو معزول کر کے بدلت تمام گدھے پر سوار کر کے بغداد طلب کیا، اور امام مالک کو معذرت کا خط لکھا۔
دوسرے سال ۱۵۵ھ میں جبکہ تمام تجاز و عراق میں سکون ہو چکا تو حج کے ارادہ سے منصور حجاز آیا، امام مالک ملنے کو آئے، اور بعض روایتوں میں ہے کہ حج سے پہلے خود امام کو بغداد بلایا گیا۔ تو نہایت تعظیم سے ملا اور بوثوق کہا کہ ”میں نے تعزیر کی اجازت دی اور نہ مجھے اس کا علم ہوا“ امام صاحب نے فرمایا کہ ”ہاں آپ کو اطلاع نہ ہوگی“ اس تمہید کے بعد منصور نے سلسلہ تقریر اس طرح شروع کیا۔

”اے ابو عبد اللہ! جب ہم آپ زندہ ہیں آپ اہل حرمین کے

۱۔ طبقات ابن سعد ترجمہ مالک، مناقب مالک للزاوی ۱۷۰ تزئین الممالک نقلًا عن الخطیب روایت عن ابی وہب ص ۱۳۰ کتاب الانساب للسمانی ترجمہ اصبحی ..

ملجا و ماویٰ ہیں، جن مصائب کا ان کو نشانہ بننا چاہیے صرف آپ کی ذات سے وہ ان سے محفوظ ہیں، مجھ کو جہاں تک علم ہے ان دونوں مقامات کے باشندے نہایت فتنہ جو ہیں اور پھر ان میں اتنی طاقت بھی نہیں کہ استقلال سے مقابلہ کر سکیں، میں نے دشمن خدا (جعفر) کی نسبت حکم دیا ہے کہ وہ مدینہ سے بغداد گدھے پر سوار ہو کر جائے اور اس کو ذلت و انڈیا پہنچائی جائے۔

خلعت امام صاحب نے فرمایا "اس انتقام کی حاجت نہیں امیر المومنین اور پیغمبر خدا صلعم کی قرابت کی خاطر میں اس کو معاف کرتا ہوں" منصور نے خلعت پیش کیا، قاعدہ تھا کہ خلعت کے کپڑے درباری کے کندھے پر رکھ دیئے جاتے تھے۔ حاجب نے یہی عام طریقہ امام صاحب کے ساتھ برتنا چاہا، اماں صاحبہ بچھے ہٹ گئے، منصور نے حاجب کو ڈانٹا کہ "اس خلعت کو ابو عبد اللہ کے فرد و گاہ میں پہنچا دو"

اس سوال و جواب اور منصور کی زبان سے تعزیر کا سبب تنظیم کے الفاظ کو چھوڑ کر منصور کے الفاظ دوبارہ پڑھو، نظر آئے گا کہ امام مالک کی تعزیر کن اسباب کا نتیجہ ہے اہل حرمین بغاوت پسند ہیں، اور آپ حرمین کے مقتدی اور اماں ہیں، اس لئے بغیر آپ کے اشارہ کے یہ باتیں نہیں ہوئیں اور پھر منصور کی ستم ظریفی دیکھو کہ باوجود اس علم کے کہ امام سادات کے طرفدار ہیں، مدینہ میں جو سادات جرم بغاوت میں قید تھے، ان کے پاس اپنی طرف سے خود امام مالک کو سفیر بنا کر بھیجا

امام مالک کی طلبی: منصور کو ایک بار معلوم ہوا کہ علماء کو میری حکومت سے ناراضی ہے، اس نے خلاف وقت

شب کو ابن ابی ذئب و ابن سمعان فقہائے مجاز اور امام مالک کو طلب کیا، امام صاحب واقعہ سمجھ گئے، زندگی سے ناامید ہو کر غسل فرما کر کفن کے کپڑے پہن کر اور حنوط (مردوں کو لگایا جاتا ہے) مل کر دربار میں آئے، منصور نے کہا اے گروہ فقہاء! مجھ کو ایک خبر معلوم ہوئی ہے جس سے افسوس ہے، حالانکہ تمہارا فرض تھا کہ سب سے پہلے تم میری اطاعت کرتے، اور مجھ کو برا کہنے سے باز رہتے، اگر مجھ میں کچھ عیب ہوتا تو تم مجھ کو نصیحت کرتے۔“

امام صاحب نے فرمایا کہ اے امیر المومنین! خدائے پاک ارشاد فرماتا ہے
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِينَ
(مسلمانو! اگر کوئی فاسق تم کو کچھ خبر دے تو اس کی تحقیق کر لو، ایسا نہ ہو کہ نادانستگی میں بے گناہوں کو ستاؤ، پھر اپنے کئے پر تم کو ندامت ہو۔“

منصور نے کہا اچھا منصور کی نسبت اظہار رائے سے انکار: بتاؤ کہ ”میں تمہارے

نزدیک کیسا ہوں؟“ امام نے فرمایا۔ للہ مجھے اس کے جواب دینے سے معاف کرو“ منصور نے ابن سمعان کی طرف رخ کیا کہ ”تم بتاؤ میں کیسا ہوں؟“

ابن سمعان بولے ”امیر المومنین! آپ سب سے بہتر ہیں، حج کرتے ہیں جہاد کرتے ہیں، مظلوموں کی امداد کرتے ہیں، اسلام کی پشت پناہ ہیں، عادل ہیں“ اب منصور نے ابن ابی ذئب سے پوچھا کہ ابن ابی ذئب! تم مجھ کو کیسا سمجھتے ہو؟ ابن ابی ذئب نے نہایت دلیری سے کہا کہ تم بدترین مخلوق ہو، مسلمانوں کی

تمام دولت اپنی شان و شوکت میں صرف کرتے ہو، غریبوں کو ہلاک اور امیروں کو پریشان کر ڈالا، بتاؤ کل تم خدا کے سامنے کیا جواب دو گے، ”منصور نے کہا“ تم دیکھتے ہو کہ تمہارے سامنے یہ کیا چیز ہے“ ابن ابی ذئب نے کہا ”ہاں نیکی تو ایسی دیکھتا ہوں، لیکن آج کی موت کل کی موت سے بہتر ہے“

تھوڑی دیر کے بعد ابن سہمان اور ابن ابی ذئب اٹھ کر چلے گئے، لیکن امام تشریف فرما رہے، منصور نے کہا ”مجھے آپ کے کپڑوں سے خطوط کی بو آتی ہے، امام صاحب نے فرمایا اس بے وقت طلب سے میں اپنی زندگی سے مایوس ہو کر آیا تھا، منصور نے کہا ”سبحان اللہ ابو عبد اللہ! کیا میں خود اپنے ہاتھ سے اسلام کا ستون گراؤں گا؟“

محمد المہدی: اسی سفر حج میں حج سے پہلے ۴ رزی الحمر ۱۵۸ھ میں منصور نے انتقال کیا، اور محمد المہدی اس کا جانشین ہوا، دو سال کے بعد ۱۶۰ھ میں مہدی مع شہزادگان خلافت موسیٰ و ہارون حج کے ارادہ سے عازم حجاز ہوا، حج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ آیا، شہر کے قریب پہنچا تو شرفا و علمائے شہر نے استقبال کیا، جن میں امام مالک بھی داخل تھے۔ مہدی نے امام کو دیکھا، تو ادھر تو جبر کی، اور سلام کر کے سینہ سے لگالیا، اس سال حجاز میں سخت قحط تھا، موقع پا کر امام نے فرمایا۔

اہل مدینہ کے لئے درخواست: امیر المومنین! اس وقت آپ جس شہر میں جا رہے ہیں وہاں ہماجرین و انصار کی اولاد آباد ہے، وہ روضہ نبویؐ کے ہمسایہ ہیں۔ مہدی امام کا مقصود سمجھ گیا۔ اور ۲۵ لاکھ درم امام کے پاس بھیج دیئے کہ تقسیم کر دیجئے

امام صاحب نے تم اپنے معتمد تلامذہ کے حوالہ کی کہ حسب حاجت لوگوں میں تقسیم کر دیں۔

تین ہزار دینار اپنے صاحبِ اعظم ربیع کے ہاتھ اما کی خدمت میں بھیجے اور خواہش ظاہر کی کہ آپ بغداد میرے ساتھ چلیں، امام صاحب نے قاصد سے کہا تھیلیاں اب تک سروسے اسی طرح پٹری ہیں، جی چاہے لے جاؤ، لیکن مالک مدینہ نہیں چھوڑ سکتا کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے۔ **المدینۃ خیر لہم لو کانوا یعلمون**

مہدی نے سواری بھیجی کہ اس پر سوار ہو کر بارگاہِ خلافت میں آئیں، سواری واپس کر دی کہ میں مدینہ میں سوار ہو کر نہیں نکلتا، کہ انہی گلیوں میں حضرت سرورِ کائنات صلعم پھرتے تھے، پیادہ آئے، بیمار تھے اس لئے بعض مشاہیر علمائے مدینہ سے ٹیک لگا کر بیٹھے، مہدی نے کہا سبحان اللہ! اگر میں یہ خدمت ان سے لینا چاہتا تو شاید ان میں سے قبول نہ کرتا مغیرہ نے کہا: "میر المومنین! مالک جس سے ٹیک لگا کر بیٹھیں وہ اس کے لئے شرف ہے۔"

مہدی نے کہا ایک ایسی کتاب تالیف فرمائیے کہ تمام مسلمانوں کو میں اس کے عمل پر عبور کروں، امام مالک نے افریقہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس حصہ کی تکلیف سے تو میں نے تم کو بچالیا، شام میں ایک شخص (امام اوزاعی) موجود ہے اور اہل عراق تو اہل عراق ہیں۔

قرات سے انکار: مہدی نے اسی سفر میں موطا کی سماعت حاصل کی، بلکہ بعض روایتوں میں ہے کہ مہدی ہی کے لئے امام نے موطا لکھی، گویہ صحیح نہیں، مہدی نے موٹی و ہار تو ان اپنے دونوں بیٹوں کو حکم دیا کہ امام سے موطائیں، شہزادوں نے امام کو بلا بھیجا، امام صاحب نے فرمایا: "علم"

بیش قیمت شے ہے اس کے پاس خود شائقین آتے ہیں، ہمدی کی اجازت سے دونوں شہزادے خود مجلس درس میں حاضر ہوئے، شہزادوں کے اتالیق نے کہا، پڑھ کر سنائیے، امام صاحب نے فرمایا کہ ہمارے علماء کا دستور یہ ہے کہ طلباء پڑھیں شیوخ سنیں، ہمدی کو خبر دی گئی، اس نے کہا کہ ان علماء کی اقتدار اور تم خود پڑھو، چنانچہ شہزادوں نے خود پڑھا اور امام نے سماعت کی لہ

موطاہادی: ہمدی نے ۱۹۹ھ میں وفات پائی اور اس کی جگہ موسیٰ ملقب بہ ہادی تخت نشین ہوا، موسیٰ کی خلافت کا زمانہ ایک برس ہے، زمانہ شہزادگی کے سوا پھر امام سے اس کو شرف اندوزی کا موقع نہ ملا۔

ہارون الرشید: ہادی کے بعد ۲۰۱ھ میں مسند آل عباس پر وہ فغانا جلوہ نما ہوا جس کی نسبت شاعر کہتا ہے،

فمن یطلب لقاءک او یردک	فیا لحرمین اواقصی الثغور
اے ہارون! جوتیری ملاقات کا طالب ہو	تو اس کو حریم میں تو ملیگا یا دشمنوں کی سرحد پر
ففی ارض العدو وعلی طمر	وفی ارض البریۃ فوق کور
دشمنوں کی سرزمین میں تیرا صبار تار گھوڑے پر	اور ارض حرم میں محمل پر

اس وقت امام مالک کی تصنیفات تمام

موطابارگاہ خلافت میں: ملک میں پھیل چکی تھیں، خلافت کے پہلے

ہی سال حج و زیارت کے لئے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ آیا، لوگ پیادہ استقبال تہنیت کے لئے نکلے، امام صاحب بھی محل میں سوار ہو کر آئے، ہارون رشید نے امام کو دیکھ کر نہایت خوشی ظاہر کی، اور کہا کہ آپ کی تصنیفات پہنچیں، خاندان کے نوجوانوں کو

ان کے مطالعہ کی تاکید کی ہے، لیکن اس کا کیا سبب ہے کہ ہم نے ان میں ابن عباسؓ اور علیؓ بن ابی طالب کی روایتیں نہیں پائیں۔ امام نے فرمایا کہ ”اے امیر المؤمنین یہ دونوں بزرگوار ہمارے شہر میں نہ تھے“

۴۳۔ ہارون و امین و ماموں مجلس درس میں : امام رشید، ایقن اور ماموں اپنے دونوں

شہزادوں کو لے کر ج کے لئے آیا، رشید نے امام کو موطا کی املا کے لئے خود سراسر دہ خلافت میں طلب کیا، امام صاحب نے بدستور انکار کیا اور خود موطا کے بغیر تشریف لائے، رشید نے شکایت کی، امام صاحب نے فرمایا۔ ہارون رشید! علم تیرے گھر سے نکلا ہے خواہ اس کو ذلیل کر خواہ عزت دے، ہارون رشید متاثر ہوا، محمد الامین اور عبداللہ المامون دونوں شہزادوں کو لے کر مجلس درس میں حاضر ہوا، وہاں طلبہ کا عام ہجوم تھا، رشید نے کہا ”اس بھڑ کو الگ کر دیجئے“ امام نے فرمایا ”شخصی فائدہ کے لئے عام افادہ کا خون نہیں کیا جاسکتا“ ہارون رشید مسند پر بیٹھ گیا، امام نے فرمایا ”امیر المؤمنین تواضع پسندیدہ ہے۔“ ہارون نیچے اتر گیا۔

دوسری منزل قرأت و سماعت کی تھی، ہارون نے کہا ”آپ قرأت کیجئے“ امام نے فرمایا ”مخلاف عادت ہے“ یہ کہہ کر معن بن عیسیٰ کو اشارہ کیا۔ جو ایک مستعد طالب علم تھے، اور آگے چل کر بڑے بڑے محدثین کے استاد ہوئے انہوں نے قرأت شروع کی، ہارون نے مع شہزادوں کے سماعت کی،

۴۴۔ مجلس حدیث : اس سفر میں شام و عراق و حجاز کے کل علماء ساتھ تھے قاضی ابویوسف بھی اس مجمع میں شریک تھے ہارون رشید نے ان تمام علماء کی ایک علی مجلس منعقد کی، امام صاحب مسند تدریس پر رونق افروز ہوئے، موطا کا املا شروع ہوا، ہر مسئلہ کے اختتام پر فقہا

و محدثین سکوت کی زبان سے صحت کا اعتراف کرتے جاتے تھے، فقہی معلومات کا ایک دریاتھا جو زبان امامت سے امتدادمذکر سوا حل قلوب میں موجیں لے رہا تھا۔

جب مجلس ختم ہو گئی، اور امام صاحب واپس تشریف لے گئے تو ہارون رشید نے حاضرین مجلس کو خطاب کیا۔

”اے فقہائے عراق و حجاز! کیا تم کو ان مسائل میں کچھ کلام ہے جو مالک ابن انس نے اس وقت تم کو سنائے ہیں؟“ فقہانے متفقاً کہا کہ نہیں، ہمیں ایک مسئلہ کے سوا کسی میں کلام نہیں، ہارون رشید نے کہا کہ عجیب نہیں کہ امام مالک کے اس مسئلہ کا ماخذ قرآن ہو۔ بہر حال ہارون رشید نے امام صاحب کو بلا بھیجا امام صاحب تشریف لائے تو ہارون رشید نے کہا ”اے عبداللہ موطا کے ایک مسئلہ سے ان کو اختلاف ہے، آپ اپنے اس مسئلہ کی صحت کی دلیل ان کو بتائیے“ ہارون رشید کو امام صاحب کے ساتھ جو خلوص و اعتقاد ہے اس کو اس سے اندازہ کرو کہ تمام فقہاء کے مقابلہ میں کہتا ہے، ”اور میں بھی اس مسئلہ میں آپ کے ساتھ ہوں“ امام صاحب نے قرآن و حدیث سے ان کے دلائل پیش کئے اور سب نے تسلیم کر لیا۔

اس کے بعد امام صاحب نے ہارون کی طرف خطاب کیا ”اے امیر المومنین جس طرح آپ نے یہاں اس وقت مجھے یاد کیا آپ کے والد نے بھی اسی طرح اور یہیں مجھے یاد کیا تھا اور میں نے ان کو حدیثیں سنائی تھیں“ بعد ازاں امام صاحب نے مدینہ کے فقراء اور ستم رسیدوں کی طرف توجہ دلائی، ہارون رشید نے زیرِ کثیر سے فقرائے مدینہ کی امداد کی

مسجد نبوی میں ایک منبر تھا۔ جس پر بیٹھ کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

خطبہ دیا کرتے تھے، اس منبر پر صرف تین زینے تھے امیر معاویہ نے اس میں چند زینوں کا اور اضافہ کر دیا تھا۔ ہارون رشید نے چاہا کہ زائد زینے نکال کر پھر منبر نبویؐ اپنی اصلی حالت پر کر دیا جائے، امام صاحب سے مشورہ کیا امام صاحب نے فرمایا کہ ایسا نہ کیجئے، کہ اس منبر کی لکڑی کہنہ اور کمزور ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ تختوں کے ادھر ادھر کرنے میں ٹوٹ جائے۔ اور اصل سبب یہ ہے کہ وفات نبویؐ کے وقت مدینہ یادگار ہائے رسالت سے معمور تھا، بستر، پیالہ، عصا، موئے مبارک فعلیت بہت سی چیزیں مدینہ میں تھیں۔ لیکن آج مدینہ نے ایک ایک کر کے سب کو کھو دیا، تاراج شدہ سرمایہ سے صرف ایک ہی منبر رہ گیا ہے، جو بھاری ہونے کے سبب سے مسجد نبویؐ سے کبھی نکلتا نہیں، اگر اس میں کہیں تین زینے کر دیئے جائیں گے تو مجھ کو خوف ہے کہ مسجد نبویؐ کے بدلے بارگاہ خلافت نہ اس سے مزین ہو، ہارون رشید بھی اس نکتہ کو سمجھ گیا اور اپنے خیال سے باز آیا۔

ابونعیم نے حلیہ میں خود امام مالک سے روایت کی ہے کہ ہارون رشید نے چاہا کہ موطا کو خانہ کعبہ میں آویزاں کیا جائے اور تمام مسلمانوں کو فقہی احکام میں اس کی پیروی پر مجبور کیا جائے، یہ وہ موقع تھا کہ عزت طلب اشخاص کے لئے اس سے زیادہ طلائی موقع ہاتھ نہیں آسکتا، لیکن امام نے جواب دیا ”ایسا نہ کرو خود صحابہ فروع میں مختلف ہیں اور وہ ممالک میں پھیل چکے ہیں اور ان میں ہر شخص راہ ثواب پر ہے۔“

ہارون کے نام خط: امام صاحب نے ہارون رشید کی خلافت میں وفات پائی، امین و ماتوں، شہزادگی کے عہد میں امام صاحب سے مستفید ہو چکے تھے، ہارون رشید کے نام

امام کا ایک رسالہ بھی ہے جس میں امام نے ہارون کو نصائح کئے ہیں اور آداب سنن کی تعلیم دی ہے، رسالہ مقرر میں ۳۲۲ھ میں چھپ گیا ہے اور لاہور میں اُس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

ہارون رشید کی اس ملاقات، شہزادوں کی حاضری، امام کا ہارون رشید سے آزادانہ مکالمہ اور شہزادوں کو درس میں مخصوص وغیرہ مساویانہ درجہ دینے سے انکار، ان مؤثر واقعات نے میرے قلم سے ایک نظم کی صورت اختیار کر لی ہے۔

نازش دودہ عباسیہ، ہارون رشید
ساتھ شہزادہ ماموں امین دونوں تھے
اس زمانہ میں مدینہ کا تھا گوشہ گوشہ
مجلس خاص مگر مسجد نبویؐ میں تھی
یہ وہ تھی بزم جہاں قال رسولؐ کے سوا
نغمہ سبحان ازل دور سے یاں مہربلب
ہر طرف زمزمہ حمد ثنا اخبرنا
ایک نقطہ پہ یہاں جمع تھا سارا عالم
آرزو تھی یہ خلیفہ کو مدینہ آ کر !
پہنچا یہ حکم خلافت سے کہ اے ابن انس
اس لئے آج یہ بہتر ہے کہ اعلیٰ حیثیت
سُن کے فرمان خلافت کو یہ ارشاد ہوا
ہے یہ علم نبویؐ تیرے ہی گھر کی دولت
سُن کے ہارون نے دربار امامت کا جواب
خود یہ شہزادے وہاں درس میں حاضر ہو گئے

اک دفعہ شہر مدینہ کا کیا اس نے سفر
ایک تھوکت جگر، دوسرا تھا نورِ بصر
چشمہ نور بدیٰ ہمنبعِ قرآن و اثر حدیث
مسند مالک ابن انس پاک گہر
نہ کوئی اور صدا تھی، نہ کوئی اور خبر
قدسیانِ حرم پاک یہاں گوش بدر
ہر طرف شوقِ فکرِ صلِّ علیٰ خیلِ لبشر
ہند و چین، شام و عرب مغربِ بصرِ بربر
جائیں محروم نہ اس در سے مریخت جگر
مجمعِ عالم میں جا سکتے نہیں میرے پسر
آپ دیں خاص انہیں ایوانِ شہی میں آ کر
اے خلیفہ! تری تعمیل ضروری ہے مگر
خواہ حرمت اسے دے خواہ اہانت اسے کر
بھیجا پیغام کہ خیر آپ نہ آئیں گے اگر
لیکن اوروں کا نہ ہو بزم میں اس وقت گزر

مالک بن انس نے اسے کہلا بھیجا میرے کاشانہ میں ممکن نہیں تمیز بشر
درگہ خاص نہیں، درس گہ عام یہ ہے ہوساوات بشر معنی اسلام یہ ہے

وفات

امام صاحب کی عمر شریف اب ۸۱ برس کو پہنچ چکی تھی، نہایت ضعیف اور ناتوان ہو گئے تھے، مسجد نبوی میں آنا، نماز جماعت میں شریک ہونا، اور ادھر اُدھر غم و شادی کی تقریبوں میں آنا جانا تو پہلے سے ترک ہو گیا تھا، لوگ اعتراض کرتے تھے تو فرماتے کہ ہر شخص اپنا ہر عذر نہیں بیان کر سکتا، معن بن عیسیٰ اللہی ۱۹۵۰ء جو امام کے عزیز ترین شاگرد تھے اور جو صحاح کے رواد میں داخل ہیں، وہ اس وقت امام کے خادم تھے، امام صاحب انہی کا سہارا بگڑ کر چلتے تھے، لیکن اس ضعف و ناتوانی کے عالم میں درس و افتا کی خدمت جاری تھی یحییٰ بن یحییٰ اندلسی مصمودی امام اندلس جب دوسری بار مصر سے لوٹ کر مدونہ کی سند لینے کے لئے آئے تھے تو امام صاحب بستر مرض الموت پر تھے۔

اتوار کے روز بیمار پڑے، اور تقریباً تین ہفتہ تک بیمار رہے، مرض کی شدت میں کوئی تخفیف نہ ہوئی، لوگوں کو یقین ہو گیا کہ اب وقت آخر ہے، مدینہ کے تمام علماء و امرا آخری دیدار کے لئے جمع ہو گئے، یحییٰ اندلسی کا بیان ہے کہ مجھے تو اپنی محرومی کا رونا ہی تھا، وہ لوگ بھی جو مدتوں امام کی ملازمت کا شرف حاصل کر چکے تھے، وہ بھی روتے تھے، تلامذہ کے علاوہ حدیث و فقہ کے ۱۴۰ علماء مودب باہتمام گریاں آس پاس بیٹھے تھے۔

امام کی حرکت آہستہ آہستہ مردہ ہو رہی تھی، آنکھوں سے آنسو جاری

تھے تعنبی جو امام کے اخص تلامذہ میں تھے، وہ اسی وقت حاضر ہوئے، اور گریہ کا سبب دریافت کیا، فرمایا کہ ”تعنبی! میں نہ روؤں تو کون روئے، اے کاش! مجھ کو میرے ہر قیاسی فتویٰ کے بدلہ ایک کوڑا مارا جاتا، اور میں فتویٰ نہ دیتا، گریہ جاری تھا، لب متحرک تھے کہ مرنے والی روح قفسِ عنبری سے پرواز کر گیا، اب بھی اسی طرح طلباء و علماء کا ہجوم تھا، لیکن صدر نشین بزم اب حیات جاوید کے بستر پر آرام کر رہا تھا۔“

امام صاحب بروایت صحیحہ ۹۳ھ میں پیدا ہوئے، اور ۱۱ ربیع الاول ۱۷۹ھ کو انتقال فرمایا، ۸۶ برس کی عمر شریف پائی، ۱۷۹ھ میں مسندِ درس پر قدم رکھا تھا، ۶۲ برس تک علم و دین کی خدمت میں مصروف رہے۔

جنازہ میں ایک خلقت کا ہجوم تھا۔ والی مدینہ عبداللہ بن محمد ہاشمی خود پیادہ پاشریک تھا اور نقش اٹھانے والوں میں خود وہ بھی شامل تھا، جنتہ البقیع مدینہ میں ایک مشہور مقام ہے، یہاں صرف وہ لوگ بستے ہیں جو حیاتِ اولیٰ کے منازل طے کر چکے ہیں، اسلام کے ارکانِ عظام ام المومنین عائشہ صدیقہ، حضرت عثمان، امام حسن، حضرت فاطمہ، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہم اور دیگر اعلام اسلام اسی خاک میں مدفون ہیں۔ امام مدینہ کا جسد مبارک بھی اسی خاک کو سپرد ہوا۔

عمر بن سعد انصاریؓ نے اس وقت یہ شعر کسی کو خواب میں پڑھتے سنا۔

لقد أصبح الاسلام زعزع ركنه
غداة ثوى الهادي للهدى القبر
اسلام کے ستون ہل گئے
جس صبح کو کہ رہنما قبر میں آسودہ ہوا

امام الہدیٰ ما زال للعلوم ماثنا
عليه سلام الله في اخر الدھر
وہ ہدایت کا پیشرو اور علم کا ہمیشہ محافظ رہا
اس پر قیامت تک خدا کا سلام ہو

ان بیانات کے لئے دیکھو ابن خلکان ترجمہ مالک بن انس، تزئین الممالک ص ۴۱، مصر،
بستان المحدثین شاہ عبدالعزیز دہلوی

دور دراز کے شہروں اور ملکوں کے علماء کو جب امام کی وفات کی خبر پہنچی تو ہر جگہ ان کا ماتم کیا گیا، کوفہ میں سفیان بن عیینہ کو جب معلوم ہوا تو ان پر سکوت طاری ہو گیا، اور جب بولے تو یہ بولے کہ مائزل علی وجہ الارض مثله روئے زمین پر مالک نے اپنی مثال نہیں چھوڑی، حماد نے کہا۔

رحمہ اللہ کان من الدین بھکان خدا ان پر رحم کرے مذہب میں ان کا بڑا رتبہ تھا۔
امام کاظم ۲۴۲ سال کے بعد بھی پاک دلوں سے کم نہ ہوا تھا، ابو محمد جعفر قاری بغدادی المتوفی ۷۵۵ھ نے امام کا مراثیہ کہا ہے

سقی جلد شاصف البقیع بھالک من المزن مرعاد السما تبصر ابقی اور کرک کے ساتھ برسنے والے بادل امام موطا الذی طبقت بہ وہ اما جس کی وہ موطا ہے جس پر دنیا کے اقام بہ شرع الثبی محمد لہ حدس من ان یضام واشفاق وہ جس نے اپنی موطا کے ذریعہ پیغمبر کی شریعت کو لہ سند عال صحیح وھیبہ اس کی سند بلند اور صحیح ہے اور اس میں بہت سے واصحاب صدق کلھم علم نسل اس کے بہت سے شاگرد رشید ہیں جن میں ہر ایک مشہور ہے ولولہ لیکن الابن ادریس وحلہ اگر امام شافعی کے سوا کوئی اور ان کا شاگرد نہ ہوتا امام کی تاریخ پیدائش و وفات پر یہ قطعہ مشتمل ہے

کفاه الا ان السعادة ارزاق نعم الامام لسالك فخر الاماموں کے فخر میں تھان کیلئے بھی فخر کافی تھا ہاں خوش بختی بھی روزی، پیر و کے لئے بہترین پیشوا ہیں مالک اماموں کے فخر میں وفات فاز مالک مولدہ "نجم ہدی" ان کی تاریخ پیدائش ہدایت کا ستارہ ہے اور ان کی تاریخ وفات یہ ہے کہ مالک کیا ہیوتہ

اخلاق و عادات و حالات ذاتی

مقدس بزرگوں کی اخلاقی صورت پر مبالغہ آمیز روایات کے اتنے پردے پڑ جاتا ہیں کہ حقیقتِ حال کا چہرہ مخفی ہو جاتا ہے، حالانکہ بزرگانِ سلف کی تاریخِ زندگی میں یہی ایک باب ہے جو نسلِ مستقبل کے لئے آثارِ ہدایت ہے لیکن سجدہ اللہ امام کی زندگی مبالغہ کی آمیزش سے پاک ہے۔

طاعتِ الہی امام کا شمار عبادِ زمانہ میں تھا، درس و افتاء سے جو فرصت ملتی وہ زیادہ تر عبادت اور تلاوت میں صرف ہوتی، امام کی خواہر محترمہ سے کسی نے پوچھا کہ امام مالک گھر میں کیا کرتے ہیں تو جواب دیا کہ ان کے دو کام ہیں ”المصنف والتلاوة“ یہ امام صاحب کی صاحبزادی سے منقول ہے کہ امام جمعہ کی شب عبادت و طاعت میں مشغول رہتے تھے، امام بخاری کے بھانجے ابن ابی یونس سے روایت ہے کہ امام مہینہ کی پہلی تاریخ کو شبِ زندہ دار رہتے تھے۔

حبِ رسول امام، حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا بے حد ادب کرتے تھے جب نامِ مبارک زبان پر آتا، چہرہ کا رنگ متغیر ہو جاتا، لوگ پوچھتے تو فرماتے کہ ہم نے جن ارواحِ طیبات کی زیارت کی ہے ان کی حالت مجھ سے بھی بڑھ کر تھی۔

مسجدِ نبوی جس کے ایک حجرہ میں روضہٴ انور ہے، اس میں شور و غل ناپسند فرماتے کہ یہ آستانہٴ نبوت سے گستاخی ہے، کلامِ نبوی اس وقت تک زبان پر نہیں آتا، جب تک وضو یا غسل فرما کر باادب نہ بیٹھ لیتے، امام کے مطبل میں کثرت سے گھوڑے

۱۔ کتاب الفہرست ابن ندیم ذکر عباد ۱۷ مناقب مالک للزوادی عن ابی ذہب ص ۳۳

۲۔ تزئین الممالک عن الخلیل ص ۱۸ مناقب مالک للزوادی عن معصب بن عبد اللہ ص ۳۳

اور چتر تھے، مگر کبھی مدینہ کی گلیوں میں سوار ہو کر نہ نکلے، لوگوں نے سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ ”مجھے شرم آتی ہے کہ جو سرزمین قدمِ نبوی سے مشرف ہوئی ہے اس کو میں جانوروں کی سوں سے رو دندوں۔ ذاتِ نبوی کی محبت اور حدیثِ نبوی کے شغل و انہماک کے سبب سے کوئی ایسی شب نہ گذرتی جس میں عالمِ رویا میں زیارتِ نبوی کا شرف حاصل نہ ہوتا۔“

حبِ مدینہ امام کو مدینہ سے غایت درجہ محبت تھی، ہجر سفرِ حج کبھی مدینہ سے باہر نہیں نکلے، منصور نے بغداد کی سکونت کے لئے درخواست کی، پذیرا نہ ہوئی، ہمدی نے ۳ ہزار دینار بھیجے، اور پھر کہلا بھیجا کہ بغداد کا غم کیجئے، فرمایا ”اشر فیہ علیٰ حالہا رکھی ہیں، جی چاہے تو لے جاؤ، مگر مالک سے مدینہ نہیں چھوٹ سکتا۔ بقولِ نبوی المَدِیْنَةُ خَيْرٌ لِّهَمْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ انتہائے محبت یہ ہے کہ جمہورِ اسلام کے خلاف، امام مکہ معظمہ پر مدینہ منورہ کو برتری دیتے ہیں۔“

فیاضی آج علماء کا بخل و افلاس دیکھ کر کون نتیجہ نکال سکتا ہے کہ علمائے سلف کی فیاضیاں شاہانہ فیاضیوں سے کم نہ تھیں۔ ربیعہ نے اپنی تعلیم پر ۳۲ دینار صرف کئے، امام ابوحنیفہؒ طلبہ کو درجہ و دینار کے کیسے حوالہ کر دیتے تھے۔ امام لیث مصریؒ اپنی دولت کا کثیر حصہ ان مصارف پر صرف کرتے تھے۔ امام مالکؒ کی فیاضی بھی کم نہ تھی، ایک بار امام شافعیؒ کو لے کر اصطلیل کا ملاحظہ کر رہے تھے، امام شافعیؒ نے بعض گھوڑوں کی تعریف کی، امام صاحب نے تمام اصطلیل ان کی نذر کر دیئے۔ ہر سال امام شافعیؒ کو گیارہ ہزار دینار مرحمت فرماتے تھے۔

۱۔ ابن خلکان ص ۴۹ ترجمہ مالک ج ۱، مصر ۱۰۰۰ تزئین عن ابی نعیم والحطیب ص ۱۲

۲۔ تذکرہ ذہبی ج ۱ ص ۱۹۰، حیدرآباد ۱۰۰۰ اعلام علماء الاعلام لعبدالحکیم بن محبت الشرمکی، ص ۳ قلمی کتب خانہ بانکی پور ۵ توالی التالیس معالی ابن ادریس لابن حجر۔

مہمان نوازی ایک عرب کا خاصہ اور ایک مؤمن کا فرض ہے لیکن امام صاحب کا میزبانہ اخلاق اس سے بھی زیادہ تھا۔ امام شافعی جو طلب علم کے لئے امام کے گھر اترتے تھے، امام ان کے لئے ہاتھ سے خوان اٹھا کر لاتے تھے، صبح کی نماز کے لئے اپنے ہاتھ سے پانی لا کر رکھتے تھے۔ وقتِ رخصت با اینہم ضبط و خودداری، خود بازار تک جا کر سواری کرایہ کر دی، اور ایک کیسے زر زار درواہ کے لئے عنایت کیا۔

استقلالِ طبع ایک فضل الہی ہے، کوذکی جامع مسجد میں ایک بار خراجی شمشیر بکف گھس آئے، تمام لوگ بھاگ کھڑے ہوئے لیکن امام ابو حنیفہؒ نے اپنی جگہ سے جنبش نہ کی۔ ایک بار کا واقعہ ہے کہ موزہ میں کچھ تھا، امام مالکؒ نے بیخبری میں پہن لیا، مجلسِ ذکر میں آکر بیٹھ گئے۔ کچھو نے نیش مارا، اور پھر علی التواتر ستر بار نیش مارا لیکن آدابِ مجلس کے خیال سے امام نے پہلو تک نہ بدلا، چہرہ کا رنگ بار بار متغیر ہو رہا تھا، اختتامِ درس کے بعد عبداللہ بن مبارک نے سبب پوچھا تو فرمایا کہ موزہ میں کچھو ہے۔

حلم و عفو خودداری اور جلالتِ شان کے ساتھ حلم و عفو ایک گراں قدر جوہر ہے، اگر شمع نہیں ہوتا، لیکن امام میں یہ دونوں صفیں مجتمع تھیں، ایک طرف تو منصور و رشید جیسے قہار سلاطین کو آپ ڈانٹ دیتے ہیں، دوسری طرف آپ کے شاگرد مبارک پر ذلیل ہاتھوں سے کوڑا مارا جاتا ہے تو آپ انہیں گرتے ہیں، اور منصور جب مجرم کی سزا کا ذکر کرتا ہے تو آپ فرماتے ہیں کہ میں نے معاف کیا۔

امام کے شاگرد خاص معن بن عیسیٰ بیان کرتے ہیں کہ ابن سرحد نامی ایک شاعر امام صاحب کے پاس آکر کہنے لگا کہ میں نے ایک دو شعر میں آپ کا ذکر کیا ہے، میں اس گستاخی کی معافی چاہتا ہوں، امام صاحب سمجھے کہ میری ہجو میں کچھ شر ہے ہوں گے، فرمایا، کچھ

لے مرآت الاوراق ابن حجر موی ج ۱ ص ۲۰ لے ابن خلکان ترجمہ مالک و عام کتب

لے کتاب الامامہ ابن قتیبہ ج ۲ ص ۲۸۶ مصر

مضانہ نہیں، اس نے کہا میں وہ شعر سنا بھی چاہتا ہوں، امام صاحب کا چہرہ سرخ ہو گیا، لیکن زبانِ حلم سے فرمایا کہ سنا بھی لو، شعر پڑھے تو اس کا غہوم یہ تھا کہ :
”مدینہ کے مفتی مالک سے پوچھ لو کہ کیا محبت بھی کوئی گناہ ہے؟“ امام صاحب نے منانت فرمایا کہ ”میں نے یہ فتویٰ نہیں دیا۔“

حق گوئی و آزادی علمائے سلف کی مشترک صفت یہ تھی کہ وہ لفظِ حق میں بیباک ہوتے تھے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ان کی زندگی کا اہم ترین فریضہ تھا۔ گذشتہ صفحات کے پڑھنے والوں کو معلوم ہے کہ امام صاحب برابر خلفاء کے دربار میں آمد و رفت رکھتے تھے بعض لوگوں کو اس پر اعتراض تھا، امام صاحب نے فرمایا کہ اگر نہ جاؤں تو لفظِ حق کا موقع کہاں ملے؟ تم نے پڑھا ہو گا کہ ایک بار منصور نے چند فقہار کے ساتھ امام مالک کو بلا بھیجا، اور پوچھا کہ تم لوگ مجھ کو کیا سمجھتے ہو، سب دیرانہ تقریریں ابی ذبحنے کی، امام نے فرمایا کہ مجھ کو اس کے جواب سے معاف کرو یہ سکوت و تعقل بھی لفظِ حق سے کم نہیں۔

امام کو کوڑے مارے گئے، لیکن کیوں؟ اس لئے کہ حق کے اظہار میں انہوں نے حکومت کی پروا نہ کی، ایک بار منصور نے مسجدِ نبوی میں زور شور سے مناظرہ شروع کیا، فرمایا کہ ادب ملحوظ رہے لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ۔ عباسیوں کے مقابلہ میں محمد نفسِ ذکیہ نے جب علم بلند کیا تو اپنے علی الاعلان فتویٰ دیا کہ خلافت محمد نفسِ ذکیہ کا حق ہے، عباسیوں نے زبردستی بیعت لی ہے۔

خود داری علم کی شان یہ ہے کہ اس کی شانِ جلالت ملحوظ رکھی جائے کہ اہل علم لوگوں میں معزز ہوں اور لوگوں کو اکتسابِ علم کا ذوق پیدا ہو،

امام مالک اس نکتہ کو ہمیشہ پیش نظر رکھتے تھے، اس سے پہلے کئی بار گزشتہ جہاں کہ امام صاحب

مجلسِ درس میں کس وقار و متانت اور خود داری کے ساتھ بیٹھتے تھے، لوگ اعراض کرتے تو فرماتے کہ اُرید اُن اُجل العلم یعنی میں چاہتا ہوں کہ علم کی شان بڑھاؤں۔
 بڑے بڑے امراء اور حکام استانہ امامت پر حاضر ہوتے ہوئے کانپتے تھے۔ پڑھا ہو گا کہ رشید نے اپنے خیمہ میں املائے حدیث کے لئے بلایا تو فرمایا کہ: ”لوگ علم کے پاس آتے ہیں، لوگوں کے پاس علم نہیں جاتا، رشید خود آیا۔ تو مسندِ درس پر بیٹھنا چاہا فرمایا تواضعِ محبوبہ۔ رشید نے کہا، آپ پڑھئے امام نے فرمایا اپنی یہ عادت نہیں۔

منصور کے دربار کا یہ قاعدہ تھا کہ جب کوئی دربار میں آتا تو خلیفہ کے ہاتھوں کو بوسہ دیتا، امام نے کبھی یہ ذلت گوارا نہ کی۔

انصاف پسندی لیکن اس حصول، اس جلال، اس اظہارِ حق سے زیادہ گراں قیمت اور مشکل الحصول شے انصاف پسندی ہے،
 اور وہ بھی اپنے نفس کے مقابلہ میں، جس مسئلہ پر عبور نہ ہوتا بہ متانت فرما دیتے کہ ”مجھے معلوم نہیں“ شاید اس مختصر فقرہ کی قد عام لوگوں کی زبان سے نہ سمجھی جائے لیکن فرض کرو کہ ایک شخص دحمت اور کمالِ شہرت و ادعائے علم کے ساتھ مسندِ درس و افتاء پر متمکن ہے، طلبہ و اہل علم کا ہر طرف حلقہ ہے، دور و دراز سے لوگ سے لوگ آکر مسائل و فتاویٰ پوچھتے ہیں اس وقت اربابِ اخلاقی طاہرہ کے سوا کس کی قضا ہے کہ ”نہیں معلوم“ کہے۔ امام مالک کے ایک شاگرد کا قول تم اس سے پہلے پڑھ چکے ہو کہ اگر میں امام کے ”نہیں معلوم“ کو لکھا کرتا تو تختیاں بھر جاتیں۔

ابن القاسم امام کے ایک شاگرد نے کہا کہ مصر کے علماء بیع و شراء کے مسائل میں بڑی بہارت رکھتے ہیں، امام صاحب نے پوچھا انہوں نے کس سے ان کی تعلیم پائی

ابن القاسم نے کہا کہ آپ نے فرمایا کہ مجھے تو خود ان میں دخل نہیں ہے۔

اہل علم کی عزت اس سے پہلے گزرا ہے کہ خلیفہ ہارون رشید مجلس درس میں آیا تو مسند سے نیچے اتر کر اس کو بیٹھنا پڑا، لیکن ایک بار امام ابو حنیفہ تشریف لائے تو اپنے اس قدر تعظیم کی کہ ان کے لئے اپنی چادر فرش پر بچھائی، اور وہ اٹھ گئے تو طلبہ کہہ کر یہ عراق کے ابو حنیفہ ہیں، جو اس ستون کو سونا ثابت کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں، اس کے بعد کوفہ کے محدث سفیان آئے تو ان کی بھی تعظیم کی، لیکن اس سے کم، ان کے چلے جانے کے بعد فرمایا کہ لوگوں کی علی قدر مراتب عزت کرنی چاہیے۔

عبدالرحمن بن قاسم آپ کے شاگرد تھے لیکن جب ان کو خط لکھتے تھے تو فقہ مصر لکھا کرتے تھے، ایک بار قعنبی محدث آپ کے شاگرد مدینہ آ رہے تھے امام صاحب اپنے تلامذہ کو لے کر خود یہ نفس نفیس اُن کے استقبال کو شہر سے باہر نکل آئے۔

حلیہ امام صاحب کا حلیہ یہ تھا: رنگ سرخ و سفید، قد بالا، بدن بھاری پیشانی کشادہ، آنکھیں بڑی، ناک اونچی، ڈاڑھی بڑی اور گھنی سر میں قدرۃ بال نہ تھے، مونچھوں کو بہت چھوٹی کرانا پسند کرتے تھے، خضاب کا استعمال نہیں کیا۔

پوشاک مزاج میں صفاتی اور نزاہت غایت درجہ تھی، ہمیشہ نفیس اور بیش قیمت پوشاک زیب بدن فرماتے تھے، بعض لوگ اس پر ٹوکتے تو فرماتے کہ میں اس شہر (مدینہ) کے جن عالم سے ملا اس کو خوش پوشاک پایا۔ امام صاحب کو اپنے کپڑوں کا خاص اہتمام تھا۔ عدن کے کپڑے اس زمانہ میں شہور اور بیش قیمت ہوتے تھے۔ وہاں سے اپنے لئے کپڑے منگواتے تھے۔ کبھی کبھی مرو کے

بنے ہوئے کپڑے بھی استعمال کرتے تھے۔

خوشبو کا استعمال ہمیشہ کرتے تھے۔ عود کی انگلیٹھیاں جلتی رہتی تھیں، کپڑے خوشبو سے بے رہتے تھے، جس گلی سے ایک باز نکل جاتے، دیر تک اس میں خوشبو پھیلی رہتی، اور اکثر فرماتے کہ خدا نے جس کو نعمت دی ہو اس کے آثار اس پر نہ ظاہر ہوں میں یہ پسند نہیں کرتا۔ کبھی کبھی طیلان بھی استعمال کرتے جو اس زمانہ میں علماء کی نشانی تھی۔ عمامہ جب زیب سرفرماتے تھے گلے میں لپیٹ کر دلہنے یا باتیں شانہ پر ڈال لیتے، ہاتھ میں ایک چاندی کی انگوٹھی تھی جس کے سیاہ پتھر کے نگینہ پر حَسْبُنَا اللہُ وَلِغَمَّ الْوکیلُ نقش تھا۔

امام کو جو خصوصیات شرف حاصل تھیں، ان میں یہ کیا کم ہے کہ مدینہ مطہرہ کی خاک پاک جسم مبارک کا عنصر تھی، لیکن اس سے بھی زیادہ مزید شرف یہ ہے کہ مسکن وہ تھا جو حضرت عبداللہ بن مسعود کا مکان تھا اور مجلس نشست گاہ وہ تھی جو حضرت عمر فاروقؓ کا دولت خانہ تھا، یہیں اکثر ائمائے حدیث کی مجلسیں منعقد ہوتی تھیں۔ اس بنا پر امام ممالک نہ صرف علم و معارفِ فاروقی کے وارث تھے، بلکہ ان کی جائیدادِ ظاہری کا بھی خدائے انہیں وارث بنایا۔

تصنیفات

اس عہدِ سیمون میں تصنیف و تالیف کی ابتدا ہو چکی تھی، امام کے دست مبارک سے جو کتابیں ترتیب پائی ہیں یا ان کی طرف منسوب ہیں وہ حسب ذیل ہیں مؤطا، رسالہ مالک الی الرشید، احکام القرآن، المدونۃ الکبریٰ، رسالہ مالک الی ابن المظرف، رسالہ مالک الی ابن وہب، کتاب الاقضیۃ، کتاب المناسک، تفسیر غریب القرآن، کتاب المجالسات عن مالک، تفسیر القرآن ۱۔ مؤطا کی نسبت مفصل بحث آگے آئے گی۔

مؤطایں اور ان تمام تصنیفات میں امتیاز اول یہ ہے کہ مؤطا کی روایت امام کے تمام تلامذہ کی ہے اور بقیہ رسائل و کتب صرف بعض تلامذہ کی روایت سے ثابت ہیں۔

۲۔ رسالۃ مالک الی الرشید: یہ خلیفہ ہارون الرشید کے نام خط کے طور پر ۲۲ صفحات کا ایک رسالہ ہے جس میں امام نے خلیفہ کو ہر قسم کے دینی و دنیاوی و اخلاقی نصائح کئے ہیں۔

امام سے اس رسالہ کی روایت ابن حبیب نے کی ہے، رسالہ کا طرز بیان نہایت قدیم ہے اور مؤطا کے طرز روایت سے نہایت مشابہ ہے۔ بعض علماء نے اس بنا پر اس کی نسبت امام صاحب کی طرف کرنے سے انکار کیا کہ اس میں بعض ضعیف و منکر حدیثیں ہیں، لیکن اصل یہ کہ اخلاقیات میں محدثین اس قدر احتراز نہیں کرتے تھے۔

۱۔ ان کتابوں کے نام مختلف مصنفین نے لکھے ہیں، جن کی تفصیل آگے آتی ہے۔

ابن ندیم نے الفہرست میں امام کے انتساب سے اس رسالہ کا ذکر کیا ہے۔^۱ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ چوتھی صدی کے اوائل میں یہ رسالہ موجود تھا، یہ رسالہ چھپ گیا ہے، اور لاہور میں کسی نے اس کا ترجمہ بھی چھاپا ہے۔

۳۔ احکام القرآن : یہ خود امام کی تصنیف نہیں ہے بلکہ چوتھی صدی ہجری کے مشہور ماہر علوم قرآن علامہ ابو محمد مکی بن ابی طالب الاندلسی المتوفی ۳۴۳ھ کی تالیف ہے۔ علامہ موصوف نے امام مالک سے جو احکام قرآن یعنی آیات احکامیہ کی تفسیریں مروی تھیں ان کو یکجا کر دیا ہے۔ اسی لئے اس کا نام کتاب المأثور عن مالک فی احکام القرآن ہے۔

۴۔ المدونة الکبریٰ : فقہ مالکی کی ایک ضخیم کتاب ہے، بعض لوگ اس کو خود امام کی تصنیف سمجھتے ہیں، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ عبدالرحمن بن قاسم المتوفی ۱۸۱ھ امام کے ایک شاگرد کی تصنیف ہے۔ لیکن اس لحاظ سے امام کی تصنیف کہنا درست ہے کہ یہ کتاب درحقیقت امام کے ملفوظات فقہیہ کا مجموعہ ہے۔ ابن قاسم نے خود امام کے زمانہ میں مدینہ سے واپس آکر امام کے مجتہدات و فقہیات کو ایک کتاب کی صورت میں مدون کرنا شروع کیا تھا، اور شاید اسی زمانہ میں ختم بھی ہو گئی تھی، کیونکہ یحییٰ مصمودی دوسری بار مصر سے مدونہ ابن قاسم کو خود امام سے سننے کے لئے آئے تھے، لیکن افسوس کہ اس وقت امام بسترِ مرض پر تھے۔ مصر میں مدونہ چھپ گئی ہے اور ہر جگہ ملتی ہے

۵۔ رسالۃ مالک الی ابن مطرف : عثمان بن محمد بن مطرف کے نام ”فتویٰ“ کی بحث پر ایک رسالہ ہے۔ خالد بن نزار اور محمد بن مطرف تلامذہ امام نے اس کی روایت کی ہے۔

۱۔ ابن خلکان ذکر مکی بن ابی طالب ج ۲، ص ۱۲۰ مصر ۱۳۰ھ ابن خلکان ترجمہ عبدالرحمن بن قاسم دیکھی بن یحییٰ بن کثیر المصمودی۔

۶۔ رسالۃ مالک الی ابن وہب : امام کے شاگرد رشید ابن وہب کے نام سے مسئلہ قضاء و قدر پر ایک مشہور رسالہ ہے۔ قاضی عیاض نے اس رسالہ کی تعریف کی اور لکھا ہے وہ من خیار الکتاب فہذا الباب الدال علی سعة علمہ بہذا الشأن۔

۷۔ کتاب الا قضیۃ : بعض قاضیوں کے لئے امام نے یہ رسالہ لکھا، غالباً اس میں عہدہ قضا کے متعلق اصول و ہدایات ہوں گے۔ امام کے ایک شاگرد عبد اللہ بن جلیل نے اس کی روایت کی ہے۔

۸۔ کتاب المناسک : ابو جعفر زہری امام کے ایک دوست کا بیان ہے کہ امام مالک کی سب سے بڑی تصنیف کتاب المناسک تھی جس میں حج کے احکام و مسائل تھے۔

۹۔ تفسیر غیب القرآن : اس کتاب کی روایت خالد بن عبد الرحمن مخزومی نے امام سے کی ہے۔

۱۰۔ کتاب المجالسات عن مالک : ابن وہب کے تلمیذ رشید نے امام کے مجالس صحبت میں حدیث و آثار اخلاق کے جو متفرق فوائد و نکات سنے، اس رسالہ میں ان کو جمع کیا ہے۔ حافظ سیوطی نے یہ رسالہ دیکھا تھا۔

۱۱۔ تفسیر القرآن : قرآن مجید کی تفسیر بروایت احادیث مسندہ ہے۔ حافظ سیوطی نے اس کو دیکھا تھا اور اس کی تعریف کی ہے، لیکن یہ مشکوک ہے کہ آیا یہ خود امام کی تالیف ہے یا کسی شاگرد نے امام سے اس کی تعلیق کی ہے۔

۱۲۔ کتاب المسائل : ان رسائل و کتب کے علاوہ امام کی اور بھی تصنیفات تھیں، محدث خطیب نے تاریخ بغداد میں لکھا ہے کہ ابو العباس سفلح کے سامنے بہت سے منتشر اوراق پڑے تھے جس کی نسبت اس نے کہا کہ یہ امام کے بترہ رسائل کا مجموعہ ہے۔

موطا

امام کی اصلی تصنیف ”موطا“ ہے جو قرآن پاک کے بعد کتب خانہ اسلام کی دوسری کتاب ہے، اول کلام خدا ہے اور ثانی کلام رسول۔

تدوین احادیث : ہجرت کی پہلی صدی تک احادیث نبوی کے گنجینے مقدس سینوں میں مدفون رہے اور متفرق طور سے علیحدہ علیحدہ ہر شیخ کے پاس تحیری یادداشت کا مجموعہ تھا۔ قرن اول کے خاتمہ پر جب صحابہ کے بعد پہلی نسل (تابعین) پیدا ہو رہی تھی، خلیفہ عمر بن عبدالعزیز المتوفی ۱۸۱ھ سرسراٹے خلافت ہوئے حضرت عمر بن عبدالعزیز جس شان کے خلیفہ تھے اسی شان کے محدث بھی تھے چنانچہ علامہ ذہبیؒ نے حفاظ میں آپ کو جگہ دی ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی یہ علمی جلالت کیا کم ہے کہ امام مالکؒ موطا میں ان کے فتاویٰ سے استدلال کرتے ہیں۔

احادیث کی تدوین بصورت کتاب کی ابتداء اسی خلیفہ عظیم کے اشارہ سے ہوئی ہے اور سب سے پہلے مدوّن حدیث ابو بکر بن حزم المتوفی ۴۸۱ھ ہیں

ابو بکر بن حزم کے بعد محمد بن شہاب الزہری جو تمام محدثین کے امام ہیں حدیث کے دو مکرم مدوّن ہیں، ربیع بن حبیب اور سعد بن عروبہ تیسرے درجہ پر ہیں۔ پہلا نسخہ جو ابو بکر کے ہاتھ سے تیار ہوا تھا، عموماً صحابہ رضی اللہ عنہم کے فتوؤں پر مشتمل تھا۔ امام زہریؒ کا نسخہ حدیث ابواب فصول پر منقسم نہ تھا، ربیع اور سعد کے نسخوں کا ہر باب علیحدہ تھا۔

۳۳۱ھ ایک نئے دور کی بنیاد ہے۔ خلافت امویہ مٹ کر خلافت عباسیہ قائم ہوتی ہے۔ اسی کے پس و پیش عہد میں سینکڑوں مجموعہ ہائے احادیث تدوّن ہوئے اور موطا کی تالیف کا بھی یہی زمانہ ہے۔

یہاں پر یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات

کے بعد اکثر صحابہ تعلیم و ارشاد و جہاد و غزاکے لیے بلادیہ مفتوحہ میں پھیل گئے تھے۔ حضرت جابرؓ مکہ میں، حضرت ابوذرؓ دہلی اور ابوذرؓ شام میں، عقبہ بن عامرؓ مصر میں، بریدہؓ خراسان میں، حضرت علیؓ و عبداللہؓ سعود کو فہم و قس علیٰ ذلک۔ لیکن صحابہ کا گروہ عظیم جن میں اکابر و اجلہ فقہاء داخل تھے مدینہ ہی میں رہا۔ یہ مقدس گروہ جہاں تھا۔ اپنے مرنیات و مسموعات کی روایت کرتا رہا ان کے بعد ان مقامات و بلاد کے علمائے تابعین ان کے مرویات و علوم کے وارث ہوئے۔ دوسری صد کے اواخر تک یہ علوم روایت و تحریر اسی طرح منتشر رہے۔ ان کا مرکز اول مدینہ اور مرکز ثانی مکہ معظمہ کو فہم، بصرہ اور دمشق تھا۔ امام شافعیؒ اور عبداللہ بن مبارکؒ پہلے شخص ہیں جنہوں نے معلومات کے لحاظ سے اور امام احمد بن حنبلؒ اور امام بخاریؒ نے تحریر و تدوین میں ان کو یکجا کیا۔

امام مالکؒ کا عہد وہ ہے جب یہ معلومات تمام بلاد اسلامیہ میں منتشر تھے اسی لحاظ سے امام مالکؒ کے عصر میں جن مجموعہائے حدیث کی تدوین ہوئی وہ صرف اپنے اپنے حدود ملکی کے اندر محدود تھے۔ ابن جریرؒ نے مکہ میں، اور زعمیؒ نے شام میں، سفیان ثوریؒ نے کو فہم میں، ابواسلمہ عابدؒ نے بصرہ، ہیثمؒ نے واسط میں، معمرؒ نے یمن میں، ابن مبارکؒ نے خراسان میں، جریر بن حمیدؒ نے مدینہ میں، حدیثیں جمع کیں لیکن مرکز نبوت اور مہبط وحی کی حدیثوں کی جمع و ترتیب جو علم نبوی کا سب سے بڑا انجینہ تھا جس سعادت اندوز کی قسمت میں تھی وہ امام مالکؒ ہیں۔

موطا : موطا علوم مدینہ کا مجموعہ ہے جہاں ان زرو جواہر کی اصل کان تھی۔ تمام اکابر صحابہ و اعظم تابعین جن کا ذکر قبیل اوپر کی بارگزر چکا ان کا مسکن یہی شہر مبارک تھا اور اسی لئے یہ صحیفہ مقدس انہی بزرگوں کی روایات و فتاویٰ پر مبنی ہے اس بنا پر یہ صحیفہ حقیقت میں صحیح ترین، موثق ترین اور کامل ترین احکام اسلامیہ

کا مجموعہ ہے۔

تالیفِ موطا : یہ ظاہر ہے کہ امام مالکؒ ہمیشہ مدینہ ہی میں قیام فرما رہے ، اس لئے اس تالیف کا مقام معلوم ہے لیکن صحیح زمانہ نہیں معلوم ، بقرائن معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ ۷۷ سے مسئلہ ۷۸ تک کا زمانہ ہے ۔ مسئلہ ۷۷ سے زوالِ بنی امیہ کی تاریخ شروع ہوتی ہے اس سے پہلے تصنیف و تالیف کا شغل عام نہ تھا ۔ مسئلہ ۷۸ میں منصور نے آخری حج کیا ہے اس وقت موطا متداول و مشہور ہو چکی تھی ۔ اس لئے زمانہ تالیف ان دونوں کا درمیانی زمانہ قرار دیا جاسکتا ہے ۔

ایک روایت ہے کہ امام مالکؒ نے منصورؒ ہی کے حکم سے موطا کی تالیف شروع کی تھی کہ اس مجموعہ احکام میں نہ ابن عمرؓ کی سختیاں ہیں ، نہ ابن عباسؓ کی رخصتیں اور نہ ابن مسعودؓ کے شواذ ۔

امام صاحب جو موطا کی تالیف میں مشغول ہوئے اور یہ جزا و روک بھی پہنچی تو مدینہ کے علماء بھی اپنے اپنے احادیث کا مجموعہ تیار کرنے لگے ، لوگوں نے امام سے جا کر عرض کیا ، آپ نے فرمایا کہ ”صرف حسن نیت کو تقابل ہے“ یہ پیشینگوئی کس قدر صحیح اُتری ، دیکھو کہ موطائے مالک کے سوا کوئی موطا دنیا کے معلوم میں باقی نہیں رہی ۔ بعض لوگوں نے رشک کا انتقام دوسری طرح لیا ، محمد بن اسحق صاحبِ سیر و معاذی نے کہا :

إبتونی بکتابہ حتی أبت عیوبہ مالک کی کتاب میں میرے پاس لاؤ میں ان کے عیوب دکھاؤں ، مالک کی کتابوں کا نافت تو میں ہوں ۔

۱۔ مقدمہ مسوئی شاہ ولی اللہ صاحبؒ ۔ ۲۔ کشف الظنون ”موطا“ و جامع بیان العلم ابن عبد البر ص ۶۴ ، مصر ۔ ۳۔ کتاب الامامۃ والسیاستہ ذکر منصور ۔ ۴۔ تہذیب الکمال ”مالک بن انس“

امام مالک نے تصنیف سے فارغ ہو کر شیوخ حدیث کی خدمت میں اس کو پیش کیا۔ سب نے اس کو بغایت پسند کیا۔ عام اہل مدینہ کے لئے وہ دن عجیب سترت کا تھا جب ان کے مجموعہ فضائل میں ایک اور فضیلت کا اضافہ ہو رہا تھا۔ سعد بن نام ایک شاعر موطا کی تعریف میں کہتا ہے۔

اقول لمن یروی الحدیث ویکتب ویسلک سبل الفقہ فیہ ویطلب
میں اس سے کہتا ہوں جو حدیث کی روایت کرتا ہے اور اس کو لکھتا ہے اور فقہ کے راستہ
میں چلتا ہے اور اس کی طلب میں سرگراں ہے۔

ان احببت ان تدعی لدی الخلق عالماً فلا تعد ما یجوز من العلم یثرب
اگر تجھ کو یہ پسند ہے کہ مخلوق میں تو بکارا جائے، تو اس علم سے باہر نہ جا جس کو شرعی حد
انتزاع دارا کان بین بیوتہا یروح ویغد وجبرئیل المقرب
کیا اس مقام کو تو چھوڑتا ہے جس کے گھروں میں مقرب بارگاہ جبریل آیا جایا کرتا تھا۔

ومات رسول اللہ فیہا وبعده بستم اصحابہ قد تأذبوا
اور جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور ان کے بعد آپ کی سنت سے
آپ کے اصحاب نے ادب پایا۔

فبادر موطا مالک قبل موته فما بعده ان فات للمحق مطلب
تو مالک کی موطا کو جلد لو، کھونے نہ پائے کہ اگر یہ کھو گئی تو حق کی جستجو کی پھر جگہ نہیں۔
ودع للموطا کل علم ترمیدہ فان الموطا الشمس والغیر کوکب
اور موطا کے لئے ہر اس علم کو جس کو چاہتے ہو چھوڑ دو، کہ موطا آفتاب ہے اور اس کے
علاوہ دوسری کتابیں ستارہ ہیں۔

وجہ تسمیہ: لفظ موطا کا مفعول ہے جس کے معنی ”روندنے“ اور کسی چیز پر چلنے
کے ہیں، موطا کے لغوی معنی ”روندا ہوا“ یا ”چلا ہوا“ کے ہیں۔ شاہ

ولی اللہ صاحب نے مسوئی میں لکھا ہے ”روندے ہوئے یا چلے ہوئے“ کے۔ مجازی معنی یہ ہیں کہ جس پر عام ائمہ اور علماء اور اکابر چلے ہوں اور جس کو ان سب کی رایوں نے روندنا اور پامال کیا ہو، یعنی سب نے اس کے متعلق گفت گو کی ہو اور اس سے اتفاق کیا ہو اس طرح گویا اس کے معنی ”متفق“ اور ”مطابق“ کے ہیں، چونکہ تصنیف کے بعد تمام شیوخ حدیث نے اس سے اتفاق و مطابقت کی، اس لئے اس کا نام مؤطا مشہور ہو گیا۔ لیکن میرے نزدیک اس سے زیادہ صحیح تعبیر یہ ہے کہ ”مؤطا“ اس راستے کو کہتے ہیں جس پر لوگ بھرت گزرتے ہیں۔ سنت کے معنی بھی راستہ کے ہیں، یہ وہ راستہ ہے جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گزرے۔ مؤطا وہ پامال راستہ ہے جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام صحابہ گزرے، غرض مؤطا کا لفظ اپنی حقیقت کا آپ مفسر ہے، کہ یہ ان مسائل پر مشتمل ہے جن کا عمل رہا ہے، اور جو ہر سلف جن پر چلے ہیں۔

تعداد مرویات : ابتداء مؤطا میں دس ہزار حدیثیں تھیں۔ لیکن امام کے خاتمہ صحت پسند نے تقریباً آٹھ ہزار حدیثیں، قفزد

کردیں باقی ۱۷۲۰ ہیں، جن میں سے مسند اور مرفوع ۶۰۰ ہیں، مرسل ۲۳۵، موقوف ۶۱۳ تابعین کے اقوال و فتاویٰ ۲۸۵، بلاغات مالک ۵۔

موطا کا موضوع : مؤطا کا موضوع صرف احکام فقہیہ ہیں، اس لئے وہ سینکڑوں ابواب و فصول جو بخاری و مسلم و ترمذی وغیرہ میں نظر آتے ہیں

مؤطا ان سے خالی ہے، کیونکہ فقہیات سے ان کو کوئی تعلق نہیں ہے اس بنا پر محدثین کی اصطلاح کے مطابق اس کو ”کتاب السنن“ کہنا چاہیے۔

مؤطا اور دیگر فقہائے مجتہدین کے مجموعہات حدیث : فقہائے مجتہدین اربعہ میں سے ہر ایک کے انتساب سے ایک مجموعہ حدیث موجود ہے۔ مسند ابی حنیفہ، مسند شافعی

مسند ابن جنبل۔ یہ تمام کتابیں موجود ہیں، فقیہ رابع کی تصنیف کو ان پر کیا فوقیت حاصل ہے؟ اس جواب کے پردہ میں یہ ظاہر کر دینا ہے کہ امام مالکؒ کے سوا کسی امام مجتہد کے قلم سے علم حدیث کی کوئی تصنیف ظاہر نہیں ہوئی ذَلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُسُوِّیْهِ مَنْ یَّشَاءُ۔ مسند ابی حنیفہ کے نام سے متعدد کتب ہیں موجود ہیں، مگر دراصل یہ تمام کتابیں امام ابو حنیفہؒ کے سیکڑوں برس بعد، امام ممدوح کے تلامذہ کی تصنیفات اور غیر معروف مسانید سے لے کر محمد بن یعقوب اور حسین بن محمد بن خسرو وغیرہ نے تالیف کی ہیں اور ان کو مسند ابی حنیفہ اور امام اعظم کے نام سے موسوم کر دیا ہے۔

مسند امام شافعی کی حقیقت یہ ہے کہ امام شافعیؒ نے اپنی تصنیفات میں بریل استدلال جو حدیثیں روایت کی ہیں، ابو جعفر بن محمد بن مطر نیشاپوری یا ابو العباس نامی ایک شافعیؒ نے ان کو یکجا کر دیا ہے، مسند ابن جنبل کی تالیف یقیناً خود امام احمدؒ نے شروع کی تھی۔ لیکن وہ ابھی مسودہ تھا کہ امام موصوف نے وفات پائی اس کی تبصیر و ترتیب بعد کو امام احمدؒ کے صاحبزادہ عبداللہ نے کی جو افسوس ہے کہ اس میدان کے مرد نہ تھے، اسی لئے مدنی اور عراقی مسندوں پر تخلیط ہے۔ اس بنا پر اس کو بجائے مسند احمد کے مسند عبداللہ کہنا چاہئے۔ اور باایں ہمہ اس میں صحیح احادیث کا التزام نہیں ہے۔ گو خود امام احمدؒ کو اس کا دعویٰ تھا۔

موطا اور اس کی محاصر کتابیں: موطا سے قبل اور خود اس کے زمانہ میں بیسیوں مسانید اور موطائیں لوگوں نے

لکھیں، جن میں سے بعض اب تک باقی ہیں، باہمی موازنہ سے ظاہر ہو سکتا ہے کہ موطا اور ان کتب معاصرہ میں وہی نسبت ہے جو صحیح بخاری کو مصنف ابن ابی شیبہ اور کتب بیہقی سے، اور خود ان کتابوں کا فقدان اور عدم شہرت و قبول اور موت

اس پر کافی دلیل ہے، لیکن بایں ہمہ تین خاص وجوہ ایسے ہیں جن سے موطا کا امتیاز بالکل روشن ہو جاتا ہے۔

(۱) موطا سے پہلے جو حدیث کی کتابیں لکھی گئیں، ان کا مبنیٰ زیادہ تر صحابہ تابعین کے آثار و فتاویٰ تھے، امام مالک نے موطا میں احادیثِ صحاح و مسند یا منقطع و متصل کو مبنائے اول اور آثار و فتاویٰ کو مبنائے ثانی قرار دیا۔

(۲) دوسرا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ ان میں صحت کا التزام نہیں کیا گیا تھا، اور موطا میں صرف اسی حدیث یا فتویٰ نے جگہ پائی ہے جس کو صحت کا شرف حاصل تھا۔ (۳) تیسری بات یہ کہ موطا مدنیہ میں تالیف ہوئی ہے، اس کے رواۃ حجازی ہیں، اور دیگر مسانید اور موطائیں کوفہ، بصرہ، واسطہ، شام، یمن، خراسان اور رے وغیرہ میں تالیف ہوئیں اور اس پر تمام علمائے حدیث کا اتفاق ہے کہ حجاز کی حدیثیں صحت، قوت اور جودتِ اسناد میں سب پر فائق ہیں۔

طبقات کتب حدیث میں موطا کا درجہ : یہ معلوم ہو چکا ہے کہ علمائے حدیث نے کتب حدیث کو چار مختلف طبقات میں منقسم کیا ہے، طبقہ اولیٰ میں صرف وہ تصانیف ہیں جن کے مصنفین حدیث کے امام اور فن کے نقاد تھے اور جن کی تصنیفات صحت، جودتِ اسناد، قبولِ محدثین کے لحاظ سے سب سے مقدم ہیں اور جن کے رجال حفظ، ثبوت، وثوق، شہرت میں معروف ہیں۔ طبقہ ثانیہ میں اس سے کم درجہ و علیٰ ہذا الترتیب۔

طبقہ اولیٰ میں موطا، بخاری اور مسلم داخل ہیں، اور طبقہ ثانیہ میں ترمذی، ابوداؤد و نسائی۔ ان دونوں طبقات کو صحاحِ ستہ کہتے ہیں، ابن اثیر جزیری المتوفی ۶۱۶ھ نے جامع الاصول میں انہی چھ کتابوں کو جمع کیا ہے۔

طبقہ اولیٰ میں موطا کا درجہ : طبقہ اولیٰ یعنی موطا، بخاری اور مسلم میں موطا کا کیا درجہ ہے؟ علمائے حدیث اس کے جواب میں مختلف الراءے ہیں۔ عام علماء تو اس کو مسلم بلکہ ترمذی کے بعد بھی جگہ دیتے ہیں، لیکن محققین قدما و عموماً مؤخرین میں شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز صاحب اس کو بخاری سے بھی مقدم سمجھتے ہیں اور خود میں بھی بدرِ طلب حدیث سے یہی اعتقادِ جازم رکھتا ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ بخاری و مسلم کی فوقیت اگر کثرتِ روایات، کثرتِ مرفوعات اور مرسل و موقوف حدیثوں سے پاک ہونے کی بنا پر ہے تو صحیح ہے، لیکن مدارِ فضیلت تو صرف ”صحیح“ جو حدیثِ اسناد اور شہرت کی بنا پر ہے۔ یہ صحیح ہے کہ موطا میں مرسل، موقوف اور منقطع حدیثیں ہیں جو ”صحیح“ کے لئے قاصر ہیں۔ لیکن ان کا ارسال، وقف اور انقطاع موطا کی روایات کے لحاظ سے درست ہے لیکن حقیقت کی رو سے یہ تمام مرسل و موقوفات و منقطعات متصل، مرفوع و مسند ہیں۔ اور خود ان کے رفع اور اتصال و اسناد امام بخاری و امام مسلم و ترمذی وغیرہ کی مہرِ تصدیق لگی ہوئی ہے، اس حالت میں خیال کرو کہ موطا کی صحت کا درجہ کہاں تک پہنچ جاتا ہے؟

(۱) موطا کو سب سے بڑا شرف یہ حاصل ہے کہ یہ اسلام کی پہلی کتاب ہے، کلام اللہ کے بعد اسلام کے ہاتھ میں دوسری صحیح کتاب کلام الرسول آئی، جو موطا کے قالب میں ظاہر ہوئی۔ کشف الظنون میں ہے کہ ”اول کتاب وضع فی الاسلام موطا مالک بن انس“ سب سے پہلی کتاب جو اسلام میں لکھی گئی ہے وہ موطا ہے قاضی ابوجبر بن ابی المتوفی ص ۵۴ موطا کی شرح لکھتے ہیں :

هذا اول کتاب فی شرائع الاسلام
یہ پہلی کتاب ہے جو شریعتِ اسلامیہ
میں لکھی گئی ہے۔

حضرت سفیان کہتے ہیں :

اول من صنف الصحيح مالك سب سے پہلے مالک نے صحیح تالیف کی
والفضل للمتقدم

(۲) صرف تقدم زمانہ ہی موطا کے تقدم کے لئے کافی نہیں ہے بلکہ باوجود نقش
اول ہونے کے اس کے بعد کی کتابیں گو کہ نقشِ ثانی ہیں تاہم اس کی برابر ہی کا دعویٰ
نہیں کر سکتیں۔ چنانچہ اس کے متعلق ائمہ مجتہدین اور علمائے حدیث کی قوی شہادتیں
موجود ہیں۔ امام شافعی المتوفی ۲۰۴ھ فرماتے ہیں

ما علی وجه الارض من کتاب بعد روئے زمین پر کتاب اللہ کے بعد کوئی
کتاب اللہ اصح من موطا مالک کتاب موطا امام مالک سے زیادہ صحیح
بن انس، نہیں ہے۔

ابو بکر بن عربی فرماتے ہیں :

هذا اول کتاب وضع فی الاسلام یہ اسلام کی سب سے پہلی کتاب ہے اور
وهو آخره لانه لم یؤلف مثله سب سے پچھلی بھی ہے کیونکہ پھر اس کے مثل
کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔

امام نووی شرح مسلم کے دیباچہ میں اپنے استاد کا حال لکھتے ہوئے کہتے ہیں :
وقد وقع اعلى من هذه ایک کتاب مجھ کو ملی جو ان تمام کتابوں
الکتاب وان كانت عالیة (بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد و نسائی)
موطا للامام مالک سے بہتر ہے اگرچہ کتابیں اچھی ہیں۔ وہ موطا
وهو شیخ الشیوخ المذکورین جس کے مصنف امام مالک
کلامہم تمام محدثین کے شیخ الشیخ ہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں ”کتاب اللہ میں امام شافعی کی اور کتاب الآثار
میں امام محمد کی جو فقاہت ہے وہ موطا ہی کے صدقہ میں ہے۔“

(۳) امام بخاری اور امام مسلم سے جن لوگوں نے صحیح مسلم کی روایت کی ہے گوان کی کثرت تو اتر کے حد تک پہنچ چکی ہے مگر امام مالک سے موطا کی روایت کرنے والے جس پایہ کے لوگ ہیں وہ بخاری اور مسلم کے نہیں ہیں اس لئے خواص و عوام کی نقل و روایت میں جو فرق ہے وہ یقیناً موطا اور دیگر کتب کے نقل و روایت میں ہے۔

ائمہ مجتہدین میں سے امام شافعیؒ اور امام محمدؒ نے اور محدثین میں سے عیشاؓ لوگوں نے امام مالک سے موطا کی روایت کی ہے۔ انہی میں سے امام عبداللہ بن مبارک، ہیشم بن جمیل محدث انطاکیہ، امام منصور بن سلمہ محدث بغداد، عبداللہ بن وہب محدث مصر، یحییٰ بن یحییٰ محدث مسلم قتیبہ بن سعد وغیرہ ہیں۔ فقہاء میں سے فقیہ ہشام بن عبداللہ بن قاسم مولف مرقۃ الکبریٰ وغیرہ۔ صوفیاء میں حضرت ذوالنون مصری۔ خلفاء میں ہادی، مہدی، ہارون مامون، امین۔ اور عام علماء میں سے تقریباً ایک ہزار آدمیوں نے موطا امام مالک سے روایت کی ہے۔ سیوطی نے تنویر الکحاک میں لکھا ہے کہ امام مالک سے روایت کرنے والوں کی جتنی کثیر تعداد ہے اتنی کسی امام کے رواۃ کی نہیں۔

(۴) یہ ایک کھلی بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مولف حدیث میں جتنے واسطے کم ہوں گے اسی قدر اس کی تالیف درجہ اعتبار میں زیادہ ہوگی۔ بخاری و مسلم کی عموماً روایتیں پانچ چھ واسطے سے ہوتی ہیں۔ موطا کی حدیثیں تین چار واسطوں سے زیادہ کی نہیں ہوتیں امام بخاری کو اپنے بیس ثلاثیات پر ناز ہے اور موطا کی بنیاد ہی ثلاثیات پر ہے اور علاوہ ازیں اس میں چالیس ثلاثیات ہیں یعنی ایسی حدیثیں ہیں جنہیں مولف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صرف دو واسطے ہیں۔

موطا کے نسخے : سینکڑوں لوگوں نے امام صاحب سے موطا کو مختلف زمانوں میں حاصل کیا اس کثرت تعداد اور اختلاف اوقات کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ ہر ایک کی روایت میں کسی دوسری قدر کتاب کے ابواب کی ترتیب، تقدیم و تاخیر اور بعض الفاظ میں اختلاف ہو۔

چنانچہ موطا امام صاحب سے تیس مختلف طریقوں سے مروی ہے جن میں مشہور ۱۶ نسخے ہیں ان میں سے معتبر اور باوثوق اول کے گیارہ اور معتبر تر اور باوثوق تر چار ہیں یعنی یحییٰ بن مکیر ابو نعیم اور ابن وہب کے نسخے۔ لیکن متداول ترین، مشہور ترین اور مقبول ترین یحییٰ کی روایت ہے۔ کتاب کی مشہور ترتیب یہ ہے کہ اول کتاب الجائز پھر کتاب الصلوٰۃ پھر کتاب الزکوٰۃ پھر کتاب الصیام۔ اس کے بعد یہ تمام نسخے کتاب الحج تک منفق ہیں۔ کتاب الحج کے بعد سے پھر مختلف ترتیب میں۔ اس قسم کا اختلاف بخاری و مسلم سب میں ہے۔

(۱) یحییٰ بن یحییٰ معمودی اندلسی بربر کے رہنے والے تھے ان کے دادا پہلے شخص ہیں جو ان کے خاندان میں مشہور بہ اسلام ہوئے۔ قرطبہ میں امام صاحب کے تلمیذ خاص ابو عبد اللہ زیاد بن عبد الرحمن بن زیاد بھی درس دیتے تھے۔ یحییٰ نے پہلے انہی سے پوری موطا کے قرأت کی مگر شوقِ علم میں سال کی عمر میں قرطبہ سے نکال کر کاستانہ امت تک لے آیا مگر قسمت نے یحییٰ کو امام صاحب سے پوری موطا پڑھنے دی اسی سال امام کا انتقال ہو گیا، اسی لئے یحییٰ کے نسخے میں تمام احادیث ”حد ثنا مالک“ سے شروع ہوتی ہیں لیکن باب خروج المعتکف الی العید، باب قضاء الامتکاف، باب النکاح فی الاصلحاء حد ثنا زیاد عن مالک“ یعنی ایک واسطہ زیادہ ہے۔

امام صاحب یحییٰ کی بڑی عزت کرتے تھے۔ اندلس میں سلطنت بھی ان کا خاص احترام کرتی تھی۔ چار مسئلوں کے سوا ہر بات میں وہ امام صاحب کے مقلد تھے ۲۵۰ھ میں پیدا ہوئے ۸۲ سال کی عمر پائی ۳۳۰ھ میں انتقال کیا۔

(۲) یہ نسخہ عبد اللہ بن وہب کی تالیف ہے۔ مصر وطن تھا، مشہور محدث لیث بن سعد مصری سے حدیث حاصل کی تھی۔ امام صاحب کی شہرت مصر سے ان کو مدینہ لے آئی۔ امام صاحب کے شاگردوں میں تالیف و تصنیف کے لئے انہی کے دل داغ کو قدرت الہی نے منتخب کیا تھا۔ ”مسموعات امام مالک“ کے نام سے انہوں نے

تین کتابیں لکھی ہیں۔ ان کی تصنیفات میں ایک لاکھ بیس ہزار حدیثیں بریل میں تذکرہ مروی ہیں اور مسیح حج ہیں۔ ذیقعدہ ۱۲۵۰ سال پیدائش ہے اور شعبان ۱۲۸۰ سال وفات۔

(۳) اس کے راوی عبد اللہ بن مسلمہ قعنبی ہیں۔ محدثین ان کی حدیث دانی میں امام صاحب کے تمام تلامذہ پر فوقیت دیتے ہیں۔ آٹھ برس امام صاحب کی خدمت میں رہے۔ جب یہ بیمار ہوئے تو امام صاحب خاص طور سے ان کی عیادت کو تشریف لے جاتے تھے۔ محرم ۲۲۰ھ میں وفات پائی۔

(۴) مالکی مذہب کے مشہور فقیہ ابن القاسم اس کے راوی ہیں۔ مالکی مذہب کی پہلی تدوین انہی سے شروع ہوتی ہے۔ کتاب المدونۃ الکبریٰ انہی کی تالیف ہے، فتاویٰ امام مالک کو انہوں نے ایک ضخیم کتاب کی صورت میں مرتب کیا تھا۔ زہد و تقویٰ میں ممتاز تھے۔ ابن القاسم نہ صرف میدانِ علم کے شہسوار تھے بلکہ روم، بربر، زنج کے جہاد میں اپنی زندگی کا ایک چوتھائی حصہ صرف کیا تھا۔ مصر میں ۲۱۰ھ میں وفات پائی۔

(۵) معن بن عیسیٰ امام بخاری و مسلم و ترمذی کے شیخ ہیں۔ امام صاحب نے ان کو متنبی کیا تھا، ہارون نے امام صاحب کے درس میں انہی کی قرأت کی سماعت کی تھی۔ امام صاحب کے چالیس ہزار فتاویٰ ان کو یاد تھے۔ مدینہ میں ۱۹۸ھ میں انتقال کیا۔

(۶) عبد اللہ بن یوسف گو پیدا دمشق میں ہوئے تھے لیکن سکونت اندلس میں تھی۔ امام بخاری کے شیخ ہیں۔ امام بخاری ان کے علم و فضل کے مدّاح تھے۔

(۷) یحییٰ بن بکیر امام بخاری بلا واسطہ اور امام سلم بیک واسطہ ان سے روایت کرتے ہیں امام صاحب سے موطا انہوں نے چودہ مرتبہ پڑھی تھی۔ امام صاحب کی

ثنائیات کو انہوں نے الگ الگ رسالہ میں جمع کیا ہے۔ علمائے اندلس اپنے شاگردوں کو فراغت کی سند دیتے تھے، اس کو تبرگہ پڑھاتے تھے بعض لوگوں نے اپنی نادانی سے ان پر جرح کی ہے

(۸) سعید بن عفیر: مشاہیر مصر سے ہیں۔ لیث مصری اور امام مالک سے روایت کرتے ہیں۔ امام بخاری نے ان سے روایت کی ہے۔ علم حدیث کے علاوہ تاریخ، سیر، ادب، علم الانساب اور شاعری میں بھی ان کو کمال حاصل تھا۔ ۱۷۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۵۲ھ میں وفات پائی۔

(۹) ابو مصعب ہمری: شیوخ مدینہ سے ہیں جب تک یہ زندہ رہے حجاز والے اہل عراق کو آنکھ نہیں لگاتے تھے۔ صحاح ستہ میں ان کی روایت ہے، سب سے اخیر میں جو موطا امام صاحب کو سنائی گئی ہے وہ انہی کی روایت سے ہے۔ ۱۷۱ھ میں جب انہوں نے وفات پائی تو مدینہ میں خدمتِ قضاء پر مامور تھے۔

(۱۰) اس کے راوی مصعب بن عبد اللہ زہری ہیں۔

(۱۱) یہ محمد مبارک کی روایت سے

(۱۲) سلمان بن برو غافقی نے ان بارہ نسخوں کو ملا کر ایک ضخیم کتاب تالیف کی۔

(۱۳) یحییٰ بن یحییٰ کا نسخہ

(۱۴) ابو حذافہ سہمی محدثین ان کو قابل وثوق نہیں سمجھتے امام صاحب کے شاگردوں میں سب سے اخیر بغداد میں ۲۵۹ھ میں وفات پائی۔

(۱۵) ابو محمد سدید بن سعید ہمدانی اور ابن ماجہ نے ان سے روایت کی ہے اخیر عمر میں ان کے حفظ میں ضعف آ گیا تھا۔ ۲۵۲ھ میں انتقال کیا۔

(۱۶) حنفی مذہب کے نامور مصنف امام محمد بن حسن شیبانی اس موطا کے راوی ہیں اصلی وطن شام تھا۔ واسط میں پیدا ہوئے اور کوفہ میں نشو و نما پائی، امام مالک

سے حدیث اور امام ابوحنیفہ سے فقہ حاصل کی۔ عربیت، نحو، فقہ، حساب کے ماہر تھے
۸۹ھ میں رے میں وفات پائی۔

امام محمد نے چونکہ اپنے طور سے موطا کو ترتیب دیا ہے اور ہر حدیث کے ختم پر
مسائل کو ثابت کرنا چاہا ہے۔ امام صاحب کے سوا امام ابوحنیفہ کی حدیثیں بھی اس
میں نقل کی ہیں اس لئے یہ موطا امام محمد کہلاتی ہے۔

شرح و تعلیقات کسی تصنیف کے قبول وبرد و عزیزی کی ایک بڑی
دلیل یہ ہے کہ اس کو شارحین، معلقین و محشین کی
ایک بڑی جماعت ہاتھ آئے اور کمیت بھی کوئی اس قدر بڑی چیز نہیں جو حق
کیفیت ہے، یعنی یہ کہ فضل و کمال میں ان کا کیا پایہ تھا۔ موطا ان دونوں خصوصیات
کے لحاظ سے خوش قسمت ہے تقریباً پچیس علمائے کبار نے اس کی شرح و تعلیق اور
دیگر خدمات انجام دیئے ہیں یہ تو کمیت کا حال ہے۔ کیفیت کے لحاظ سے دیکھو
توان میں قدام سے ابن حبیب مالکی المتوفی ۲۴۱ھ، امام ابوسلیمان البستی الخطابی المتوفی
۳۸۵ھ ابن رشیق قیروانی المتوفی ۴۵۶ھ، محدث ابن عبد البر المتوفی ۵۶۳ھ، امام باجی
اندلسی المتوفی ۴۴۲ھ، قاضی عیاض المتوفی ۵۴۲ھ، قاضی ابوبکر بن العربی المتوفی ۵۴۶ھ
اور متاخرین میں حافظ جلال الدین سیوطی المتوفی ۸۹۹ھ، علامہ زر قانی مصری
المتوفی ۹۲۲ھ، شاہ ولی اللہ دہلوی المتوفی ۱۱۶۱ھ وغیرہ داخل ہیں۔

امام خطابی، حافظ سیوطی، ابن عبد البر، ابن حزم، ابوالولید باجی نے موطا
بکثرت فتاویٰ صرف احادیث کی تخصیص کی ہے۔ حافظ سیوطی نے رجال موطا کو
علیحدہ کیا ہے، احمد بن عمران اخفش بصری اور قاضی عیاض نے موطا کے
لغات حل کئے ہیں، باجی اور دارقطنی نے موطا کے اختلاف نسخ پر بحث کی
ہے۔ ابوالحسن علی بن محمد قابسی نے موطا کی صرف متصل الاسناد حدیثیں

جمع کی ہیں۔ ابن بشکوال اور خطیب بغدادی نے صرف ان لوگوں کے حالات
 لکھے ہیں جنہوں نے امام سے موطا کی روایت کی ہے۔
 ذیل میں ان لوگوں کی فہرست نقل کرتا ہوں جنہوں نے موطا کے متعلق کوئی
 خدمت انجام دی ہے۔



<http://islamicurdubooks.net>

شرح موطا

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
شرح موطا	ابو مروان بن عبد الملک بن حبیب مالکی المتوفی ۲۳۹ھ	موطا کی سب سے قدیم شرح ہے
التہذیب لما فی الموطا من المعانی و الاشیاء	حافظ ابن عبد البر قرطبی المتوفی ۴۶۳ھ	موطا کے معانی کی تشریح اور اس کے اسانید کی تحقیق اور اس ضمن میں فقر و حدیث کے بشمار معلومات ہیں، اس کی ترتیب و رفاۃ کے نام پر ہے۔ ترتیب ہجا خود مصنف اپنی کتاب کا اختصار کیا ہے
الاستذکار المتقی، الایام، الاستیعاف	ابو الولید سلیمان الباجی المتوفی ۲۷۸ھ	یہ تین شرحیں ہیں جو ایک ہی شارح کے قلم سے ہیں
x	ابن رشتی قیروانی المتوفی ۳۵۷ھ	ابن عبد البر کی تمہید کا اختصار
الاستیعاف	شیخ زین الدین عمر حلبی	ابن عبد البر کی تمہید کا اختصار
شرح موطا	ابن ابی صفرة	شرح
"	القاضی ابو عبد اللہ بن الحاج	"
"	ابو الولید بن العود	"
"	ابو القاسم بن الجدا کاتب	"

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
شرح موطا	ابو الحسن الاشعری	شرح
"	ابو عمر الطلیطلی	"
القبس	قاضی ابوبکر بن العزنی المغربي المتوفی ۵۲۶ھ	"
المقبس	ابو محمد عبداللہ بن بطیموسی المتوفی ۵۲۱ھ	"
الموعب	ابو الولید بن صفار	"
المستقصى	یحییٰ بن مزین	"
القرب	محمد بن زنین	"
الماسک	ابوبکر بن سابق الصقلی	"
شرح موطا	قاضی محمد بن سلیمان بن خلیفہ	"
کشف المخطا عن الموطا	حافظ جلال الدین سیوطی شافعی المتوفی ۹۱۱ھ	"
تنویر الحواکک علی موطا مالک	"	"
تجربہ حدیث موطا	حافظ جلال الدین سیوطی شافعی	موطا کی صرف حدیثیں جمع کیں
شرح زرقانی	محمد بن عبدالہادی زرقانی مالکی المتوفی ۱۲۳۲ھ	یہ شرح ۳ جلدوں میں ہے
شرح موطا	بیری زادہ خضعی مفتی مکہ	شرح (مقدمہ موطا امام محمد از مولانا عبدالحی)
شرح موطا	شیخ علی قادری خضعی	"
المصنفی	شاہ ولی اللہ دہلوی المتوفی ۱۱۶۶ھ	تعلیق بر موطا، عربی زبان میں ہے، اختلاف فقہاء کی تفصیل کی ہے۔

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
المسوی		فارسی میں موطا کی مجتہدانہ شرح ہے۔
المجلی	شیخ الاسلام حنفی دہلوی الموجود ۱۲۱۵ھ	ہدایت محققانہ شرح ہے خاص مصنف کا نسخہ بائگی پور لاٹبریری میں موجود ہے، پہلے صفحہ پر "الفضل الکبیر" مادہ تاریخ ہے۔

لے اس فہرست میں جہاں حوالہ نہ ہو اس کے لئے کشف الظنون، لفظ موطا دیکھنا چاہیئے اور
تذمیں الممالک صفحہ ۸۵ نقلاً عن المدارک للقاضی عیاض،

۲۔ تحریر و اسناد موطا

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
مسند احادیث الموطا	ابوالقاسم عبدالرحمن الفافقی المصری المتوفی ۳۸۱ھ	موطا کی احادیث مسند متصل کا انتخاب و ترتیب و بیان
لمحض موطا	امام ابویسحاق الخطابی البستی المتوفی ۳۸۸ھ	"
التعطا بحديث الموطا	ابن عبدالبر القرطبي المتوفی ۴۶۳ھ	"
المخلص	ابوالحسن علی بن محمد قاسمی المتوفی ۴۰۳ھ	"
مسند الموطا	قاسم بن اصبح	"
"	ابوالقاسم الجواہری	"
"	ابوذراہروی	"
"	ابوالحسن علی بن حبیب السلمی	"
"	المطرز	"
"	احمد بن قہراء	"
"	الفارسی	"
"	القاضی ابن المہر	"

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
مسند الموطا	ابن الاعرابی	موطا کی احادیث مسند متصل
"	ابو بکر احمد بن سعید بن موضح	کاتخاب و ترتیب و بیان
"	الانجمی ابو عمر الطلیطلی	موطا بروایت تعنی کے
"	ابراہیم بن نصر السمرقسطی	احادیث و ترتیب و بیان
"		"

۳۔ اختلاف الموطاآت

اختلاف الموطاآت	حافظ ابو الحسن الدارقطنی	موطا کے مختلف روایات
"		اور نسخوں کی تحقیق و بیان
"	ابو الولید سلیمان الباجی	"

۴۔ رجال الموطا

رجال الموطا	قاضی ابو عبد اللہ محمد بن یحییٰ الخزاز	موطا کے رجال و روایات کی تحقیق و محالہ
"	ابو عبد اللہ بن المفرج	"
"	البرقی	"
"	ابو عمر الطلیطلی	"

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
رجال الموطا	حافظ جلال الدین سیوطی،	موطا کے رجال و رواۃ کی تحقیق و حالات
اسعاف المبطا برجال الموطا		"

۵۔ غریب الموطا

غریب الموطا	احمد بن عمران الاخشش	موطا کے لغات کی تحقیق
"	ابو القاسم العثماني المصري	"
"	البرقي	"
مشارق الانوار	قاضي عياض	بخاری، مسلم اور موطا کے لغات کی تحقیق،

۶۔ رواۃ الموطا عن مالک

تسمیہ من روی الموطا عن مالک	ابو القاسم ابن بش کوال اندلسی	امام مالک سبحن لوگوں نے موطا کی روایت کی انکے حالات
رواۃ مالک	محدث خطیب بغدادی	"
"	قاضي عياض	"
ایجاب السالک برواۃ الموطا عن مالک	حافظ شمس الدین دمشقی	"

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
----------	----------	-------

۷۔ متفرق مباحث

التقصی	ابن عبدالبر اندلسی	موطا کے منقطع، مرسل مفصل بلاغت کا وصل و رفع و اسناد
اطراف الموطا	ابوبکر بن ثابت الخطیب	x
توجیہ الموطا	ابوعبداللہ بن عیشون الطلیطلی	x
اسافر عن آثار الموطا	حازم بن محمد بن حازم	موطا کے آثار کی تحقیق و بحث ۲۰ جزی میں۔
تاج الحلیہ	ابو محمد بن یزید بوع	موطا کے اسانید پر تحقیق و بحث
جمع الموطا	ابن جو صا	شاید موطا کے مختلف نسخوں کا مجموعہ ہے۔
مشائخ مالک	امام مسلم	امام مالک کے اسانید حدیث کے حالات

یہ تمام فہرست کشف الظنون لفظ موطا اور مدارک تافہی عیاض سے بواسطہ تشرین الممالک سیوطی صفحہ ۵۲،
۵۸ سے ماخوذ ہے،

موطا کا ایک اور امتیاز کہ اشخاص ایسے گزرے ہیں جو صاحب سیف و قلم تھے تخت و منبر دونوں ان کے نام سے عزت پاتے تھے، لیکن کسی کے متعلق یہ بیان نہیں ہے کہ اس نے طلب علم و اخذ سند کے لئے کوئی سفر اختیار کیا ہو کہ خود ان کا فخر اساتذہ کا مرکز اور علمائے عہد کا مرجع ہوتا تھا، لیکن تنہا موطا وہ کتاب مقدس ہے جس کے لئے مہدی، ہادی، رشید، مامون اور امین مشاہیر خلفائے اسلام نے عراق سے حجاز تک بادیہ پیمائی کی اور آخر میں چھٹی صدی میں بزرگترین سلاطین اسلام صلاح الدین ایوبی فاتح بیت المقدس نے قاہرہ سے اسکندریہ تک صرف اسی کی خاطر سفر گوارا کیا لہ

لہ تزئین الممالک نقلاً عن القاضي الفاضل وزير السلطان، صفحہ ۴۶،



علامہ سید سلیمان ندوی

(۱۸۸۴ء تا ۱۹۵۳ء) ::::

آپ کا اصلی نام انیس الحسن اور کنیت ابو نجیب تھی۔ لیکن سن شعور پر پہنچنے کے بعد آپ نے اپنا نام سید سلیمان لکھنا شروع کیا۔ سید صاحب کے والد ماجد حکیم ابوالحسن ریاست اسلام پور میں شاہی طبیب تھے۔ سید صاحب بروز جمعہ المبارک ۲۲ نومبر ۱۸۸۴ء (مطابق ۲۳ صفر ۱۳۰۲ھ) کو پیدا ہوئے آپ نے ابتدائی تعلیم گھر ہی پر پائی۔ بعد میں آپ نے علم و عرفان کے مراحل حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی نگرانی میں طے کئے آپ نے کچھ عرصہ پھلوری کی خانقاہ مجیبی میں رہ کر مولانا محمد الہی سے بھی کچھ فنی کتا ہیں پڑھیں پھلوری سے آپ مدرسہ امدادیہ درجہ نگہ چلے گئے۔ جہاں آپ نے درس نظامیہ کی بعض کتا ہیں ختم کیں۔ سید صاحب ۱۹۰۱ء میں ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخل ہو گئے یہاں پانچ سال تک تعلیم پانے کے بعد ۱۹۰۶ء میں آپ نے سند فراغت تکمیل حاصل کی۔

ندوۃ العلماء میں سید صاحب کو ملک کے مشہور مؤرخ، متکلم، فلسفی، محقق و مفکر کے علاوہ مولانا محمد فاروق چڑیا کوٹی، مولانا حفیظ اللہ مفتی عبداللطیف اور مولانا عبدالحی فرنگی محل سے اخذ فیض کے مواقع حاصل ہوئے۔ ندوۃ العلماء کے قیام کے دوران سید صاحب نے اپنے لئے خاص امتیاز حاصل کیا۔ جس کا اعتراف شاہ سلیمان پھلوری مرحوم تک نے کیا۔

دارالعلوم ندوہ میں فارغ التحصیل طلبہ کی دستار بندی ۱۹۰۷ء میں ہوئی اس

موقع پر سید صاحب نے عربی میں ایک فاضلہ مقالہ پڑھا۔ جس پر علامہ شبلی نعمانی نے خوش مسرت کا اظہار کرتے ہوئے اپنے سر سے عمامہ اتار کر سید صاحب کے سر پر باندھ دیا اور اپنے مایہ ناز شاگرد کے متعلق مولانا حبیب الرحمن شروانی کو لکھا۔

”سلیمان کی طرف سے درخواست کی گئی کہ فی البدیہہ جو مضمون مجھ کو بتایا جائے میں اس وقت عربی زبان میں اس پر لیکچر دوں گا۔ غلام الثقلین نے ایک مضمون دیا اور بغیر ذرا سی دیر کے سلیمان نے نہایت مسلسل فصیح اور صحیح عربی میں تقریر شروع کی تمام جلسہ جو حیرت تھا۔ آخر لوگوں نے نعرہ ہائے تحسین کے ساتھ خود کہا کہ بس اب حد ہو گئی۔“
(حیات شبلی ص ۴۵۸)

علامہ شبلی نعمانی نے اپنی موت سے پہلے سید صاحب کو پوناسے تار بھجوا کر بلایا اور سید صاحب کے اعظم گڑھ پہنچنے پر ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا۔
”سیرت میری تمام عمر کی کمائی ہے۔ سب کام چھوڑ کر سیرت تیار کر دو۔“

سید صاحب نے اس کام کی تکمیل کا وعدہ کیا اور اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے انہوں نے استاد کے نیک کام کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیا اور یوں شبلی مرحوم کی سیرت النبیؐ کی باقی جلدیں لکھ کر یہ بے حد اہم فریضہ سرانجام دے دیا۔

سید صاحب نے چالیس سال کی عمر تک سوائے علمی اور تحقیقی مشاغل کے کبھی کسی دوسرے معاملہ میں دخل نہ دیا۔ البتہ ۱۹۲۰ میں تیس الاחרات مولانا محمد علی مرحوم کے اصرار پر وندہ خلافت کارکن بن کر یورپ گئے لیکن جانے سے پہلے اپنے چچا مولانا عبدالحکیم کو لکھا۔

”وہ ہے کہیں پالیسیس میرے علمی مشاغل کو نہ وبالانہ کر دے۔“

علوم دینیہ کی تحصیل سے فراغت کے بعد آپ الذودہ ”جیسے بلند پایہ علمی پہنچنے کے نائب مدیر بنا دیئے گئے۔ رسالہ کی ادارت تو برائے نام تھی اصل میں یہ ایک شعبہ

تصنیف و تالیف تھا۔ اس زمانہ میں آپ نے جو بلند پایہ علمی ماہنامے کے نائب مدیر بنادیئے گئے۔ رسالہ کی ادارت تو برائے نام تھی اصل میں یہ ایک شعبہ تصنیف و تالیف تھا۔ اس زمانہ میں آپ نے جو بلند پایہ مضامین لکھے ملک کے علماء و فضلاء نے انہیں سرسراٹھوں پر جگہ دی خود مولانا شبلی ان کی حسن کارکردگی سے اس قدر متاثر تھے کہ انہوں نے ندوۃ العلماء کے ۱۹۱۲ء کے اجلاس میں اپنے خطبہ میں واشگاف الفاظ میں فرمایا۔
 ندوہ نے کیا کیا؟ صرف ایک سلیمان کو پیدا کیا تو یہی کافی ہے۔

”الہلال“ کے ادارہ تحریر میں شرکت :- ۱۹۱۲ء میں امام الہند ابوالکلام آزاد نے کلکتہ سے اپنے شہرہ

آفاق ہفت روزہ ”الہلال“ نکالا آپ نے اس کی ادارت میں معاونت کے لئے سید صاحب کو لکھا۔ مولانا آزاد کی اس خواہش پر علامہ شبلی مرحوم نے سید صاحب کو یہی مشورہ دیا کہ وہ مولانا آزاد کے ساتھ مل کر تحریر کے میدان میں علمی۔ ادبی اور سیاسی خدمات انجام دیں۔ سید صاحب نے اس فرض منصبی کو جس خوبی سے سرانجام دیا اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب سید صاحب الہلال کی معاونت چھوڑ کر پونہ چلے گئے تو ان کے جانے کے بعد ادارت کا کام اس قدر متاثر ہوا کہ مولانا ابوالکلام آزاد ان الفاظ میں سید صاحب کو واپس آنے کی درخواست کرنے پر مجبور ہو گئے۔

آپ نے پونہ میں پروفیسری قبول کر لی۔ حالانکہ خدا نے آپ کو درس و تعلیم سے زیادہ عظیم الشان کاموں کے لئے بنایا ہے۔ خدا کے لئے میری سنئے آپ کی عزت کرتا ہوں اور خدا شاہد ہے کہ آپ کی محبت دل میں رکھتا ہوں۔ کیا حاصل اس سے کہ آپ نے چند طلبہ کو عربی فارسی سکھادی آپ میں وہ قابلیت موجود ہے کہ آپ لاکھوں نفوس کو زندگی سکھلا سکتے ہیں۔ آپ اگر الہلال بالکل لے لیجئے۔ اور جس طرح جی چاہے اُسے ایڈٹ کیجئے میں صرف اپنے مضامین دے دیا کروں گا اور جس طرح چاہیں کریں میرا کچھ تعلق نہ ہوگا۔ آپ معاون ہوں

استعفا دے دیں اور کلکتہ چلے آئیں۔ یہ خط مولانا آزاد نے ۹ جنوری ۱۹۱۴ء کو لکھا تھا اس کی ایک ایک سطر سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا ابوالکلام جیسے نابغہ روزگار شخص کو سید صاحب کی معاونت کی کتنی ضرورت تھی۔ اور یہ بلاشبہ سید صاحب کے لئے بہت بڑا اعزاز ہے۔

۱۸ نومبر ۱۹۱۴ء کو شبلی کے انتقال پر سید صاحب نے تمام شبلی کی جانشینی :- ملائق کو خیر یاد کہہ کر استاد کے سیرۃ النبی کے مکمل کام

کو اپنے ہاتھوں میں لیا۔ شبلی کے ارادتمندوں نے استاد مرحوم کی جانشینی کا تاج سید صاحب کے سر پر رکھا یہ جون ۱۹۱۵ء کا واقعہ ہے۔ جب سید صاحب دکن کا لچ پونا سے مستعفی ہو کر اعظم گڑھ پہنچ چکے تھے۔

سید صاحب نے اعظم گڑھ تشریف لا کر دارالمصنفین کی داغ بیل ڈالی۔ آپ نے صرف استاد مرحوم کے نام تمام مشن کی بلکہ دارالمصنفین کو اپنی علمی خدمات سے ملک کے طول و عرض میں شہرت دوام سے دوچار کر دیا

سیاست سے کنارہ کشی :- سید صاحب چونکہ میدان علم و فضل کے یکے تاز تھے اس لئے آپ سیاست کے خارزار سے

ہمیشہ کنارہ کش رہتے تھے اور اگر کبھی ان کو کھینچ کر اس میدان میں لانے کی کوشش کی جاتی تو آپ پہلو بچا کر صاف نکل جاتے البتہ آپ کی سیاسی فراست کے کبھی معترف تھے۔ مشہور ہندو رہنما گاندھی نے آپ کی سیاسی سوجھ بوجھ کو دیکھ کر آپ کو ”چتر مولوی“ کے خطاب سے نوازا تھا۔

سید صاحب نے ایک موقع پر سیاست کے متعلق لکھا تھا۔

”میں نے کبھی یہ خرقة نہ آلود خود نہیں پہنا۔ کبھی محمد علی جوہر نے پہنا دیا۔ کبھی شوکت علی نے۔ اور جب کسی نے پہنا یا بھی تو میں نے فوراً اتار پھینکا“

سید صاحب عمر بھر سیاست سے کنارہ کش رہے اور اگر بہ امر مجبوری اس میں حصہ لیا

بھی تو وہ زیادہ سے زیادہ مشورہ اور رائے کی حد تک تھا۔ اپنے اس مسلک کے بارے میں انہوں نے مزاحاً فرمایا تھا۔

”بھئی! مجھے جیمس ریگٹس تو آتی ہے۔ پبلک پریکٹس نہیں آتی۔“

سید صاحب سیاسیات کو دروغ بے فروغ سمجھتے تھے اس لئے آپ اس سے اجا کرتے تھے۔ تاہم سید صاحب مسلمانوں کے اہم ملی امور میں تعاون کیا کرتے تھے۔

حسن اخلاق :- سید صاحب حسن اخلاق کا پیکر تھے۔ حلم۔ غیرت۔ مروت۔ حیا۔ تواضع۔ انکسار وغیرہ تمام نیک اوصاف ان کی شرت میں شامل تھے۔ مولانا عبدالمجید ریاض آبادی نے ایک بار دوران گفتگو کہا تھا۔ ”رذائل اخلاق بالطبع ان میں موجود ہی نہ تھے۔“

سید صاحب اس لحاظ سے انتہائی خوش نصیب تھے کہ انہیں مولانا شبلی مرحوم کی شہرہ آفاق تصنیف سیرۃ النبئ کی تکمیل کا شرف حاصل ہوا۔ گویا جو سعادت علامہ شبلی کو آخر عمر میں حاصل ہوئی۔ وہ سید صاحب کو بہت پہلے مل گئی۔

تلاش مرشد :- سید صاحب ایک جید عالم دین ہونے کے باوجود انتہائی متکسر المزاج تھے۔ اگرچہ آپ خود علم و معرفت کے بلند مقام پر فائز تھے۔ لیکن اس کے باوجود آپ ایسے پیر طریقت کی تلاش میں تھے جو ان کے جذبہ شوق کے لئے ہمیز کا کام دے۔ وہ ایک عرصہ تک ایک مرد کامل کی تلاش میں رہے۔ انہیں حاجی امداد اللہ مہاجر کئی سے قلبی لگاؤ تھا۔ اس لئے آپ ان کے خلیفہ ارشد مولانا اشرف علی تھانویؒ کے حلقہ ارادت میں شامل ہو گئے اور بعد میں ان کے خلیفہ مجاز بن گئے۔

سید صاحب کی تصانیف :- سید صاحب زندگی بھر علمی خدمات سر انجام دیتے رہے اور اپنے متعدد

تصانیف اپنی یادگار چھوڑیں۔ جن کا مختصر ذکر درج ذیل ہے۔

سیرۃ النبی :- اس جلیل القدر کتاب کی پہلی دو جلدیں تو شبلی مرحوم لکھ چکے تھے۔ جن میں زیادہ تر سیرت و سوانح ہیں باقی چار جلدیں سید صاحب کے زور قلم کا نتیجہ ہیں۔ ان جلدوں میں عقائد اسلام۔ عبادات۔ اخلاقیات۔ معجزات وغیرہ پر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔

خطبات مدراس :- یہ بھی سیرت ہی کے سلسلہ کی ایک اہم تصنیف ہے، یہ خطبات ۱۹۲۵ء میں مدراس کے دیندار مسلمانوں کی فرمائش پر دیئے گئے یہ خطبات سیرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہیں۔

سیرۃ عائشہ رضی اللہ عنہا :- یہ کتاب ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی سیرت طیبہ کے عظیم موضوع سے تعلق رکھتی ہے، یہ بھی دراصل سیرت نبوی کا ضمیمہ ہے۔

ارض القرآن :- اس کتاب میں قرآن مجید کے بعض تاریخی اور جغرافیائی بیانات پر مستشرقین کے اعتراضات کے جوابات دیئے گئے ہیں۔

عرب و ہند کے تعلقات :- یہ سید صاحب کی خالص علمی تصنیف ہے جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات کے سلسلہ میں بعض غلط فہمیوں کے ازالہ کے لئے لکھی گئی ہے۔

خیام :- یہ بھی خالص علمی تصنیف ہے جو نامور فلسفی۔ ریاضی دان اور شاعر خیام کے حالات پر مشتمل ہے۔

حیات شبلی :- یہ کتاب سید صاحب کے استاد علامہ شبلی کا تذکرہ جمیل ہے۔

یہ کتاب امام دارالہجۃ حضرت امام مالک کے حالات، علمی حیات مالک :- خدمات اور ان کے مسلک کی وضاحت کرتی ہے۔

سید صاحب ایک نغز گو شاعر بھی تھے آپ کی ایک نعت کے دو ایک شعر ملاحظہ ہوں۔

آدم کے لئے فخریہ عالی نسب ہے مکی، مدنی، ہاشمی و مطلبی ہے

پاکیزہ تراز عرش و سما و جنت فردوس آرام گاہ پاک رسول عربی ہے

کیا شان ہے اللہ کے محبوب بنی کی محبوب خدا ہے وہ جو محبوب بنی ہے

وفات :- سید صاحب استسقاء قلب کے عارضہ میں ایک عرصہ سے مبتلا تھے۔ جس کے سبب آپ تنگی تنفس کا شکار ہو گئے۔ اور یہی عارضہ بڑھ کر جان لیوا ثابت ہوا۔ چنانچہ آپ ۲۲ نومبر ۱۹۵۳ء کو اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

آپ کی وفات سے عالم اسلام ایک بطل جلیل سے محروم ہو گیا۔ محترمہ فاطمہ جناح نے اپنے تعزیتی بیان میں کیا خوب کہا۔

”سید سلیمان کی موت سے قوم ایسے جید اور فاضل عالم سے محروم ہو گئی

ہے۔ جس نے اپنی تمام زندگی اسلام کا پرچم سر بلند کرنے کے لئے وقف

کر رکھی تھی“



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حضرت امام اعظم علیہ السلام اور علم حدیث

انہما حاج حکیم غلام نبی ایم۔ اے

حضرت امام ابو حنیفہؒ جنہیں دنیائے فقہ میں انکی جلالتِ شان اور تجربہ علمی کی بنا پر امام اعظمؒ کے جلیل القدر خطاب سے جانا اور پہچانا جاتا ہے نہ صرف ایک بلند پایہ فقیہ ہی تھے بلکہ آپ ایک مسلم الثبوت محدث بھی تھے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک کوئی شخص قرآن و سنت اور آثارِ صحابہ رضوان اللہ علیہم سے پوری طرح باخبر نہ ہو وہ فقہی احکام کے استنباط کی جرات نہیں کر سکتا حضرت امام اعظمؒ کے علمی مرتبہ کو گھٹانے کے لئے آپ کے مخالفین نے آپ کو ”فقہ عراق“ کہہ کر آپ کی جلالتِ شان کو کم کرنے کی کوشش کی اور ساتھ ہی عوام کو یہ تاثر دیا کہ آپ صرف اپنے منطقی ذہن سے تخلیقِ احکام کیا کرتے تھے لیکن آپ کو سنت نبویہ علی صاحبہا النجیۃ والسلام کا پورا علم نہ تھا اور نہ آپ کسی محدثِ جلیل سے شرفِ تلمذ رکھتے تھے۔ اس غلط پروپیگنڈے کا ناقوس کچھ ایسی بلند آہنگی سے پھونکا گیا کہ مخالف تو مخالف اپنے بھی اس غلطی کا پوری طرح صیدِ زبون بن گئے۔ ہمارا ملک جس میں علم حدیث کا غلطہ دوسرے ممالک کے مقابل میں نسبتاً کم رہا ہے یہاں تک اہل قلم کو یہ غلط فہمی ہو گئی ہے کہ علم حدیث میں حضرت امام اعظمؒ کی کوئی کتاب موجود نہیں ہے۔

چنانچہ ملا جیون (متوفی ۱۱۳۰ھ) نورالانوار میں لکھتے ہیں :

لَمْ يَجْمَعْ أَبُو حَنِيفَةَ كِتَاباً
فِي الْحَدِيثِ .
حضرت ابو حنیفہؒ نے حدیث میں کوئی
کتاب مدون نہیں فرمائی .

(نورالانوار مطبوعہ لکھنؤ ص ۱۶)

ملا جیونؒ محدث نہ تھے اس لیے ان کے اس بیان پر کسی قسم کے استعجاب کی
ضرورت لاحق نہیں ہوتی۔ لیکن شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کتاب الآثار سے پوری طرح
واقفیت رکھنے کے باوجود مصطفیٰ شرح موطا امام مالکؒ میں ارشاد فرماتے ہیں :

وَأَمَّا فَقْدُ امْرُؤٍ يَبْحَثُ كِتَابَهُ
كَخُذِ الْيَتَامَى تَصْنِيفُ كَرْدِهَ بَاشَدِ
اور آج ائمہ فقہ امرضہ بیچ کتاب ہے
انہوں نے خود تصنیف کیا ہو سوائے موطا
کے لوگوں کے پاس موجود نہیں ہے ۔

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ اپنے جلیل القدر والد کی اتباع کرتے ہوئے بستان
المحدثین میں رقمطراز ہیں :

بَايَدُ اَلنَّسْتِ كَزِ اَلتَّصَانِيفِ اَمَّ
اَرْبَعُ رَحِمَمِ الشَّرْ دَرْ عِلْمِ حَدِيثِ غَيْرِ اَزْ مَوْطَا
جاننا چاہیے کہ ائمہ اربعہ کی تصانیف میں
سے علم حدیث میں سوائے موطا کے اور کوئی
تصنیف موجود نہیں ہے ۔

(ص ۲۷-۲۸)

علامہ شبلی مرحوم جو برصغیر کے ایک بلند پایہ مصنف اور ناقد تھے وہ بھی شاہ صاحب
ہی کے فیصلہ پر اطمینان کا اظہار فرماتے ہوئے لکھتے ہیں :

”بے شبہ ہماری ذاتی رائے یہی ہے کہ آج امام صاحب کی کوئی تصنیف موجود نہیں ہے“

(سیرۃ النعمان مطبوعہ آگرہ ص ۱۱۹)

علامہ مرحوم کے جانشین مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم و مغفور بھی اپنے استاذ

کی اقتدا میں اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں فرماتے ہیں :

”بے شبہ ہماری ذاتی رائے یہی ہے کہ آج امام صاحب کی کوئی تصنیف موجود نہیں ہے، (سیرۃ النعمان، مطبوعہ آگرہ ص ۱۱۹)

”امام مالک کے سوا کسی امام مجتہد کے قلم سے علم حدیث کی کوئی تصنیف ظاہر نہیں ہوئی“ (حیات مالک طبع معارف اعظم گڑھ ص ۹۰)

روح بالاتمام آرا کو دیکھ کر ہم صرف اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ ملا جیون تو علم حدیث کے مرد میدان نہ تھے لیکن تعجب تو شاہ دل اللہ صاحب پر ہوتا ہے جنہوں نے کتاب الآثار کے اطراف کا شیخ تاج الدین حنفی مفتی مکہ مکرمہ سے سماع کیا ہے چنانچہ آپ ”انسان العین فی مشائخ الحرمین“ میں انکے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

”واطراف.... کتاب الآثار امام محمد و موطا و ازو سے سماع نمود“

(انسان العین طبع احمدی دہلی ص ۱۱)

شاہ صاحب کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ امام محمد اس کتاب کو امام ابو حنیفہ سے روایت کرتے ہیں چنانچہ مصطفیٰ میں آپ فرماتے ہیں:

”آثار یکہ از امام ابو حنیفہ روایت کردہ است“

(مصطفیٰ طبع دہلی ص ۱۱)

لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ کتاب الآثار کو امام ابو حنیفہ کی بجائے امام محمد کی تصنیف سمجھتے ہیں۔ مولانا شبلی بھی سیرۃ النعمان ص ۲۲ پر لکھتے ہیں:

”خوارزمی نے آثار امام محمد کو امام کی مسابغ میں داخل کیا ہے بلاشبہ اس کتاب میں اکثر روایتیں امام صاحب ہی سے ہیں اس لیے ناظرین کو اختیار ہے کہ اس کو امام ابو حنیفہ کا منسب کہیں یا آثار امام محمد کے نام سے پکاریں۔ لیکن یاد رہے کہ امام محمد نے اس کتاب میں بہت سے آثار اور حدیثیں دوسرے شیوخ سے بھی روایت کی ہیں اس لحاظ سے اس مجموعہ کا انتساب

امام محمدؒ کی طرف زیادہ موزوں ہے ۴

محدث ملا علی قاری حنفیؒ کو بھی کتاب الآثار سے متعلق شبلی مرحوم کی طرح اشتباہ ہوا ہے وہ بھی کتاب الآثار کو امام محمدؒ ہی کی تصنیف خیال کرتے ہیں۔

اس اشتباہ کی وجہ یہ ہے کہ امام محمدؒ نے جس طرح کتاب الآثار کو روایت کیا ہے اسے دیکھتے ہوئے اہل قم کی غلط فہمی کا پیدا ہو جانا محل استعجاب نہیں امام موصوفی کا اس کتاب کے متعلق طرز عمل یہ ہے کہ وہ پہلے اس کتاب کی روایات نقل کرتے ہیں اور پھر ان روایات کے متعلق اپنا اور اپنے استاذ گرامی کا مذہب بیان کرتے ہیں اور اگر اصل کتاب کی کسی روایت پر ان کا عمل نہیں ہوتا تو اسے نقل کرنے کے بعد اس پر عمل ذکر کرنے کے وجہ دلائل تفصیلاً بیان کرتے ہیں۔ کتاب الآثار کی اکثر احادیث امام ابو حنیفہؒ کے علاوہ دوسرے شیوخ سے بھی منقول ہیں۔ اس لیے سرسری طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب خود امام محمدؒ کی تصنیف ہے حالانکہ حقیقت میں ایسا نہیں بلکہ کتاب الآثار حضرت امام اعظمؒ کی تصنیف ہے اور امام محمدؒ صرف اس کے راوی ہیں۔ البتہ امام محمدؒ نے اس کتاب کی روایت اس طرح کی ہے کہ اس کی افادیت دو چند ہو گئی ہے اور اس کا تداول اس درجہ عام ہو گیا کہ بجائے اصل مصنف کے خود ان کی طرف اس کتاب کو نسبت دی جانے لگی اس لیے اکثر مصنفین اس غلط فہمی کا شکار ہو گئے جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔

کتاب الآثار ۵۔ حاد ابن سلیمانؒ کی وفات کے بعد ثلاثہ میں امام ابو حنیفہؒ

جب جامعہ کو ذکی مشہور علمی درس گاہ میں مسند فقہ و علم پر

مسند آرا ہوئے تو آپ نے جہاں علم کلام کی بنیاد ڈالی۔ فقہ کا عظیم الشان فن مدون کیا

وہیں علم حدیث کی ایک اہم ترین خدمت یہ انجام دی کہ احادیث احکام میں سے صحیح

اور معمول بہ روایات کا انتخاب فرما کر ایک مستقل تصنیف میں ان کو ابواب فقہیہ پر ترتیب

کیا۔ جس کا نام کتاب الآثار ہے یہ کتاب جو علم حدیث میں قدیم ترین کتاب ہے دوسری صدی کے ربیع ثانی کی تالیف ہے امام صاحب سے پہلے حدیث نبوی کے جتنے مجموعے موجود تھے ان کی ترتیب فقہی نہ تھی بلکہ ان کے جامعین نے ان کو جو حدیثیں یاد تھیں انہیں بلا ترتیب قلمبند کر دیا تھا جسے امام اعظم نے کتاب الآثار تصنیف کر کے نہایت عمدگی سے پایہ تکمیل تک پہنچایا۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ صحیح بخاری سے پہلے کوئی کتاب احادیث صحیحہ کی مدون نہیں کی گئی۔ ان لوگوں کے اس خیال کو غلط قرار دیتے ہوئے حافظ سیوطی تنویر الحوالک میں لکھتے ہیں:

» اور حافظ مغلطائی نے کہا ہے کہ پہلے جس نے صحیح تصنیف کی وہ امام مالک ہیں حافظ ابن حجر کا بیان ہے کہ مالک کی کتاب خود ان کے نزدیک اور ان کے مقلدین کے نزدیک صحیح ہے کیونکہ ان کی نظر مرسل اور منقطع وغیرہ سے احتیاج کی مقتضی ہے لیکن میں (سیوطی) کہتا ہوں کہ موطا میں جو مرسل ہیں وہ علاوہ اس امر کے کہ وہ بلا کسی شرط کے مالک اور ان کے ائمہ کے نزدیک کہ جو مرسل کو ان کی طرح سند مانتے ہیں حجت ہیں ہمارے نزدیک بھی حجت ہیں۔۔۔۔۔ اس لیے حق یہی ہے کہ کل موطا کو صحیح کہا جائے اور کسی چیز کو مستثنیٰ نہ کیا جائے «

مندرجہ بالا عبارت کو پڑھنے کے بعد یہ بات تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ علامہ مغلطائی کے نزدیک اس معاملہ میں اولیت کا شرف امام مالکؒ کو حاصل ہے لیکن کتاب الآثار موطا سے قبل کی تصنیف ہے جس سے موطا کی تالیف میں استفادہ کیا گیا ہے اسی لئے حافظ سیوطی تبیض الصحیفہ فی مناقب الامام ابی حنیفہ میں رقمطراز ہیں:

» امام ابو حنیفہ کے ان خصوصی مناقب میں سے کہ جن میں وہ منفرد ہیں ایک یہ بھی ہے کہ وہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم شریعت کو مدون کیا۔ اس کی ابواب پر ترتیب کی پھر

امام مالک بن انس نے موطا کی ترتیب میں انہی کی پیروی کی اور اس بارے میں امام ابو حنیفہ پر کسی کو سبقت حاصل نہیں ہے

(تبصیح الصغیر ص ۲۶ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد)

امام اعظم علیہ الرحمۃ کی تصانیف سے امام مالکؒ کے استفادہ کا ذکر کتب تاریخ میں بصراحت موجود ہے قاضی ابوالعباس احمد بن محمد بن عبد اللہ بن ابی الوعام، اخبار ابی حنیفہ میں بسند متصل عبدالعزیز بن محمد درادری سے روایت کرتے ہیں کہ امام مالکؒ حضرت امام اعظمؒ کی کتابوں کا مطالعہ کرتے اور ان سے استفادہ فرماتے تھے۔

(اقوام المسالک فی بحث روایت مالک من عن ابی حنیفہ ص ۶۸)

کتاب الآثار میں جو احادیث ہیں وہ قوت و صحت میں موطا کی روایات سے کسی طرح بھی کم نہیں اور جس طرح موطا کے مراسیل کے مؤید موجود ہیں اسی طرح اس کے مراسیل کا حال ہے اس لیے صحت کے جس معیار پر حافظ مغلطائی اور حافظ سیوطی کے نزدیک موطا صحیح قرار پاتی ہے اسی معیار پر کتاب الآثار صحیح اترتی ہے۔ پس موطا کو کتاب الآثار سے وہی نسبت ہے جو صحیح مسلم کو صحیح بخاری سے ہے۔

اسناد و روایت کے اعتبار سے کتاب الآثار کی مرویات کا کیا درجہ ہے اس کا اندازہ اس امر سے بخوبی لگا سکتے ہیں کہ حضرت امام اعظمؒ نے چالیس ہزار احادیث میں سے جن کو ان کو روایت کیا ہے۔ صدر الامۃ موفی بن احمد مکی فرماتے ہیں ”امام ابو حنیفہؒ نے کتاب الآثار کا انتخاب چالیس ہزار احادیث سے کیا ہے“

(مناقب الامام الاعظم از صدر الامۃ ج ۱ ص ۹۵)

امام حافظ ابویحییٰ ذکریا بن یحییٰ نیشاپوری (متوفی ۳۹۸ھ) اپنی کتاب مناقب امام ابو حنیفہ میں خود امام اعظمؒ سے یہ سند نقل کرتے ہیں ”میرے پاس حدیث کے صندوق بھرے ہوئے موجود ہیں مگر میں نے ان میں سے تھوڑی سی حدیثیں نکالی ہیں جن سے لوگ

نفع اندوز ہوں : (مناقب موفق ج ۱ ص ۹۵)

علی بن الجعد جو حری جو حدیث کے بہت بڑے حافظ اور امام بخاریؒ اور ابو داؤد کے استاد ہیں فرماتے ہیں : امام ابو حنیفہ جب حدیث بیان کرتے ہیں تو مولیٰ کی طرح آبدار ہوتی ہے :

سید الحفاظ یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ ثقہ ہیں جو حدیث ان کو حفظ ہوتی ہے وہی بیان کرتے ہیں جو حفظ نہیں ہوتی بیان نہیں کرتے :

(تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۲۱۹)

ان اکابر ائمہ حدیث کی شہادتوں سے واضح ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے کوذ، بصرو اور حجاز کی مشہور درس گاہوں میں برسوں علم حدیث کی تحصیل کی ہے اور آپ کی کتاب الآثار قرآن پاک کے بعد کتب خداد اسلام کی دوسری کتاب ہے جو ابواب پر مرتب و مدوّن ہوئی اور جس کا موضوع صرف احادیث احکام ہیں جن سے مسائل فقہ کا استنباط ہوتا ہے۔ اسی لئے شاہ ولی اللہؒ نے کتاب الآثار کو احناف کی اہم ترین کتب میں شمار کیا ہے۔

(قرۃ العینین فی تفصیل الشیخین ص ۱۸۵)